شعروادب

ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں

● ....جگر مرادآبادی مرحوم

اب لفظ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ ودل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
اللہ کے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں!
ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں
ہر خلدِ تمنا پیش نظر ، ہر جنت نظارہ حاصل
پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں، ممکن ہی جسے آرام نہیں؟
یہ حسن ہے کیا؟ یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے خبر اس کی لیکن
بے جام ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر
وہ سجدہ یہاں ہے کفر جبیں، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں
دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی، سو جاتی ہے
تیرے ہی مقدر میں اے دل، کیوں چین نہیں، آرام نہیں؟
اِک شاہد معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے
ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاقِ عام نہیں

پینے کو سب پیتے ہیں جگر، میخانۂ فطرت میں لیکن
محروم نگاہِ ساقی ہے ، وہ رند جو درد آشام نہیں

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

ادار یہ

'تعمیر حیات' کے ۵۴ برس مکمل

● ....شمس الحق ندوی

خدا کا شکر ہے کہ 'تعمیر حیات' پورے چون (۵۴) برسوں سے اپنے قارئین کو زندگی کے آبِ حیات سے سیراب کررہا ہے، اور اب اس کا ۵۵واں سال شروع ہورہا ہے، گذشتہ ۵۴ برسوں میں وہ دینی، روحانی اور فکری سوغات کے ساتھ قوموں، ملکوں، تہذیبوں کے حالات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ نئے نئے خطرات اور ان کے اثرات سے بھی باخبر کرتا رہا ہے۔

'تعمیر حیات' نے حالات کے اتار چڑھاؤ سے گھبرانے کے بجائے ہمت وحوصلہ اور خود اعتمادی پیدا کرنے والے مضامین شائع کرنے کا اہتمام رکھا ہے۔ 'تعمیر حیات' خلوص، قربانی اور ایثار وخدمت کا جذبہ پیدا کرنے والے مضامین سے بھی اپنے قارئین میں صحیح دینی بیداری پیدا کرنے کی فکر وکوشش کرتا رہا ہے، حالات کے مقابلہ کے لیے جذباتی اور جوش وخروش کا انداز اپنانے کے بجائے حکیمانہ اور باوقار طریقہ اپنانے کی دعوت دیتا رہا ہے، اس لیے کہ قوم وملت کی فلاح وکامیابی صرف جذبات، جوش وخروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی، بلکہ حکیمانہ اور مدبرانہ طریقۂ کار کے اپنانے سے ہوتی ہے، جس کی بہترین مثال حضرت مجدد الف ثانی کا طریقۂ دعوت ہے، اگر وہ یہ حکیمانہ انداز چھوڑ کر جوش جذبہ کا طریقہ اپناتے، اور "کلمة حق عند سلطان جائر" کے جوش میں حکومت وقت سے ٹکرائے ہوتے تو چند رفقاء کی شہادت کے سوا کچھ اور ہاتھ نہ آتا، اور ایک دہریہ حکومت کے رخ کو موڑنے کے لیے انہوں نے جو صبر آزما طریقہ اپنایا، اور اس کے نتیجہ میں ہر آنے والا بادشاہ بہتر سے بہتر رخ کی طرف چلا، پھر اورنگ زیبؒ جیسے مثالی حکمراں نے دین اسلام کی حفاظت اور نشر واشاعت کا جو کارنامہ انجام دیا، اور خلفائے راشدین کی یاد تازہ کی، یہ نہ ہوتا۔

اسی طرح 'تعمیر حیات' جب کمزوریوں کی نشان دہی کرتا ہے تو تنقید وتبصرہ میں جارحانہ انداز نہیں اپناتا کہ جس کے ردعمل کے نتیجہ میں تعمیر کے بجائے تخریب کا ماحول بنے، شاعر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے ایک خاص ماحول میں مسلمانوں کو اپنے مقام بلند پر قائم رہنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا ؎

تیری بے علمی نے رکھ لی ہے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان ، او غافل افغان

اقبال نے اس سے علماء حق کی تحقیر نہیں کی ہے، بلکہ ان دین فروشوں سے آگاہ کیا ہے، جو دین کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کماتے ہیں، جس کو حدیث شریف میں علماء سوء کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "يبيع دينه بعرض من الدنيا" دنیا کے تھوڑے فائدہ کے لیے دین کو بیچ دیتا ہے۔

'تعمیر حیات' اپنے خاص انداز میں اس بات کی طرف بھی متوجہ کرتا رہا ہے کہ تاویلات کے ذریعہ اہل علم کا طبقہ دنیا کی محبت کا شکار ہونے سے اپنے آپ کو بچائے۔ 'تعمیر حیات' اپنے قارئین کا دینی ذہن بنانے کے سلسلہ میں ان کی علمی سطح نیز عقل وفہم کا لحاظ رکھتا ہے، جو ندوۃ العلماء کے اس مسلک کا عکس ہے، جو اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول پر رکھا ہے: "كلموا الناس علىٰ قدر عقولهم أتريدون أن يكذّب الله ورسوله" یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا ورسول کو جھٹلایا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ 'تعمیر حیات' کے تعمیری انداز سے قارئین کو فائدہ پہنچا، اس کے بہت سے مضامین اور اداریے ہندوپاک کے اخبارات ورسائل کی زینت بنے، اس سب کے باوجود 'تعمیر حیات' کے کارکنان بہرحال انسان ہیں، اس لیے خطا ونسیان کا پیش آنا، چوک ہوجانا، بعید از قیاس نہیں۔

'تعمیر حیات' اپنے قارئین میں یہ احساس بھی پوری طاقت کے ساتھ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت دوسری قوموں کی طرح کسی

خاص خاندان اور برادری یا محض مذہبی لیبل کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اس کی قومیت کی حقیقت ان سب قومیتوں سے کہیں بلند و برتر ہے، وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے، اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک امتیازی شان رکھنے والی برادری ہے، اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت ہے، نہ کہ محض نام کا مسلمان ہونا۔

'تعمیر حیات' نے اپنے قارئین میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دشمن سے زیادہ گناہوں سے ڈرا جائے کہ مسلمانوں کی مدد اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اگر مسلمان اور اس کے دشمن گناہ میں برابر ہوئے تو دشمنوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوگا، اس لیے کہ جب وسائل کا وسائل سے ٹکراؤ ہوگا تو جس کے وسائل زیادہ ہوں گے، وہ غالب آئے گا، اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کمانڈر کو یہی ہدایت کی تھی کہ تم دشمن سے زیادہ گناہوں سے ڈرنا کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد اسی بنا پر کی جاتی ہے۔

اس دنیائے فانی میں تو اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو بھی کھلاتا پلاتا اور عروج و ترقی کی بلندی پر پہونچاتا ہے، اس لیے کہ اس کے نزدیک دنیا کی کوئی قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ، وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ وَ زُخْرُفاً'' [سورہ زخرف: ۳۴،۳۵] (اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا سے انکار کرتے ہیں، ہم ان کے مکانوں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے، ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے تھے، اور (خوب) تجمل و آرائش بھی کرتے)۔

اس لیے کسی صاحب ایمان کو غیروں کی ترقی سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے، بلکہ اپنے دین و شریعت پر ہر حال میں قائم رہنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

ملک میں مسلم اقلیت کی حق تلفی

کسی آزاد ملک میں جس نے ملک کی آبادی کے تمام عناصر اور قوموں اور فرقوں کے تعاون، جدوجہد اور قربانیوں کے ذریعہ آزادی حاصل کی ہو، اس کی قیادت و رہنمائی میں وہ ملک آزاد ہوا ہو، اس کا کوئی جواز نہیں کہ کوئی ایک فرقہ یا قوم خواہ وہ کیسی کھلی اکثریت اور بڑی تعداد میں ہو، اور کیسا ہی سرمایہ دار اور باوسائل ہو، وہ نہ صرف اپنی تہذیب و ثقافت، اپنے عقائد اور دیو مالا کی تعلیم و تبلیغ اور اس کو اپنی نئی نسل کی طرف منتقل کرنے اور اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی زبان و رسم الخط کے نہ صرف رواج دینے اور قائم رکھنے میں، بلکہ پورے ملک پر اور نئی نسل پر اس کو جاری اور رائج کرنے میں آزاد ہو اور دوسرا فرقہ، دوسرا مذہب رکھنے والے اپنے دین و مذہب کے مطابق تعلیم دینے، اپنی زبان و رسم الخط کی ترویج و بقاء، اپنی تہذیب و ثقافت کے تسلسل کی کوشش میں آزاد نہ ہو، روز بروز اس پر نئی نئی پابندیاں عائد کی جائیں اور رفتہ رفتہ وہ محسوس کرنے لگے کہ وہ چلنے پھرنے، کھانے کمانے میں تو آزاد ہے، لیکن لسانی، ثقافتی اور تعلیمی طور پر پابند اور غلام ہے، اہل علم و نظر جانتے ہیں کہ صرف رسم الخط کی تبدیلی سے ایک ملک کے پورے باشندوں کا اپنے قدیم علمی ورثہ اور پوری ثقافت سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ اپنے ماضی سے منقطع ہو جاتا ہے، اسی بنا پر ایک فلسفی مؤرخ نے لکھا ہے: ''اب کسی کتب خانہ اور علمی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کرنے کی ضرورت نہیں، رسم الخط کا بدلنا کافی ہے، اس طریقہ سے اس ملک کا اپنے ماضی سے رابطہ بالکل ختم ہو جائے گا''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

File F:\Front.tif not found.

راہِ عمل

اعتماد واطمینان کا ماحول پیدا کیجیے!

گورکھپور میں حلقۂ پیامِ انسانیت کے جلسہ سے پرسوز ودردانگیز خطاب

● ....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

۲۲؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کو حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی قیادت میں حلقۂ پیامِ انسانیت کے ایک وفد نے گورکھپور کا دورہ کیا تھا، وفد میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولانا سید مرتضیٰ نقوی اور مولانا سید محمد اسحاق حسینی ندوی رحمہم اللہ شامل تھے، اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہوار ایک ساتھ پڑے تھے، جس کی وجہ سے یوپی کے کئی شہروں میں کشیدگی تھی، ٹانڈہ اور بہرائچ میں فسادات بھی ہوچکے تھے، ایکتا ماتہ یگ کی وجہ سے بھی مختلف علاقوں میں تناؤ اور ہیجان کی فضا تھی، اسی زمانہ میں گورکھپور اسلامیہ کالج میں حلقۂ پیامِ انسانیت کی جانب سے منعقد ایک بہت بڑے جلسہ میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے تقریر کی، جلسہ مسٹر رام کرشن ترپاٹھی کی صدارت میں ہوا تھا، اس میں گورکھپور یونیورسٹی اور شہر کے معزز مسلمانوں اور ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی، اس وقت اور آج کے حالات میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، اور جن امور کی طرف حضرت مولاناؒ نے نشان دہی کی تھی، آج بھی ان ہی خطوط پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے، امید ہے کہ اس دردانگیز خطاب سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا، اور موجودہ حالات میں اس سے خاطر خواہ رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ [ادارہ]

صدر اور عزیز بھائیو!

میں اس وقت بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ عزت بھی، کہ کتنے بھائیوں کو قریب سے دیکھنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے، اور ان سے باتیں کرنے کا موقع مل رہا ہے، آپ نے جتنے تھوڑے اور شارٹ نوٹس پر اتنے پڑھے لکھے مختلف فرقوں کے اور مختلف طبقوں کے بھائیوں کو جمع کرلیا، یہ آپ کے خلوص کی، آپ کے محبت کی، اور نیک نیتی کی دلیل ہے، آپ کو خوش ہونا چاہیے، اور اپنے مالک کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ کی ایک آواز پر، آپ کی دعوت پر، جس کے ساتھ کسی اور قسم کی ضیافت کا سامان نہیں، خواہ اس کا تعلق پیٹ سے ہو، منہ سے ہو، کانوں سے ہو، یا آنکھوں سے ہو، اس طرح کی کوئی چیز اس میں شامل نہیں ہے، سیدھا سادا جلسہ ہے، اور ایک پیغام ہے، اسی کو سننے کے لیے اتنے بھائی آگئے، یہ بڑی امید پیدا کرنے والی چیز ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی ہمارے ملک میں کام کرنے کی بڑی گنجائش ہے، ابھی بھروسہ ختم نہیں ہوا ہے، اعتماد بالکل ختم نہیں ہوگیا ہے، ایک شہری دوسرے شہری پر ابھی کچھ اعتبار رکھتا ہے، اس پر آپ کو جتنی مبارکباد دی جائے، کم ہے، لیکن اس میں خدا کی مدد بھی شامل ہے، اور وہ یہ کہ اس وقت موسم اچھا ہے، کہیں گرج چمک نہیں ہے، بارش کا خطرہ نہیں ہے، شہر میں بھی معتدل حالات ہیں، اگر آپ ساری محنت کرلیتے، سب جتن کرلیتے، ایک ایک کو خوشامد کرتے، ایک ایک کے گھر جاتے، ہاتھ جوڑتے، اور اسے یہاں آنے پر آمادہ کرتے، لیکن بجلی چمک رہی ہوتی، بادل گرج رہے ہوتے، اور کچھ بوندیں پڑ رہی ہوتیں، یا شہر میں کہیں کسی حصہ میں (خدا بچائے) کوئی دنگا فساد کی کوئی جھوٹی یا سچی خبر آجاتی، تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے، تو تعریف صرف آپ کی، اور آپ کی نیک نیتی کی نہیں، بلکہ اس کا حق موسم کو بھی پہونچتا ہے، معتدل حالات کو بھی پہونچتا ہے۔

اگر سب کچھ ہوتا، بڑے سے بڑا اسپیکر، ہندوستان کا بڑے سے بڑا قابل، کوئی کسی یونیورسٹی کا وائس چانسلر آتا، یا ایجوکیشنل منسٹر آتے، یا پھر باہر کے بڑے اور دنیا میں شہرت رکھنے والے اسکالر آتے، سب کچھ ہوتا لیکن نارمل حالات نہ ہوتے، موسم خراب ہوتا، اور لوگوں کی طبیعتوں میں پریشانی ہوتی، اور لوگوں کو یہ اطمینان نہ ہوتا کہ وہ خیر وعافیت کے ساتھ، آرام کے ساتھ جلسہ میں جائیں گے، اور جلسہ جب بھی ختم ہو، اطمینان کے ساتھ وہ گھر پہونچ سکیں گے، راستہ میں بھیگ نہیں جائیں گے، اور اس کے نتیجہ

File F:\Front.tif not found.

میں بیمار نہیں ہوں گے، اوران کوسواری بھی مل جائے گی، اور کوئی جیب نہیں کاٹ لے گا، کوئی ان پرحملہ نہیں کرے گا، اگر یہ اطمینان وسکون نہ ہوتا تو آپ کی محنت اتنی کامیاب نہ ہوتی، اور اتنا بڑا جلسہ تو کیا، چار آدمیوں کا اکٹھا کرنا بھی مشکل ہوجاتا۔

آدمی سانپ بچھو نہیں

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے سارے کام، بڑی سے بڑی قابلیت کی بات، بڑے سے بڑا اخلوص، اور بڑے سے بڑا جوہر، اور بڑی سے بڑی ذہانت، سب کچھ ہو، لیکن نارمل حالات نہ ہوں تو سب بے کار ہوجاتا ہے، اس لیے یہ معتدل حالات، موسم کا معتدل ہونا، وقت کا خوشگوار ہونا، اور امن وامان کا ہونا، یہ بہت بڑی نعمت ہے، جیسا کہ یہ شامیانہ ہے، جس کے نیچے آپ بیٹھے ہوئے ہیں، اس سے بھی اونچا، اس سے بھی وسیع ایک شامیانہ ہے، اور یہ کھمبے جو شامیانے کو تھامے ہوئے ہیں، ان سے بھی زیادہ مضبوط اوران سے بھی زیادہ شاندار کھمبے ہیں اس کے، وہ شامیانہ اس شامیانہ کے اوپر تنا ہوا ہے، آپ اس کو دیکھتے نہیں ہیں۔

وہ شامیانہ کیا ہے؟ وہ امن وامان کا شامیانہ ہے، وہ شامیانہ محبت کا شامیانہ ہے، وہ شامیانہ ایک دوسرے کی عزت کرنے کا شامیانہ ہے، وہ شامیانہ بھروسہ کا شامیانہ ہے، وہ تجربہ کا شامیانہ ہے، تجربہ کرکے ہم نے یہ دیکھا کہ آدمی آدمی ہے، آدمی سانپ نہیں ہے، بچھو نہیں ہے، ہم آپ جو ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، آپ برا نہ مانئے گا، آپ کو اندر سے یہ اطمینان ہے کہ آدمی کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، آپ بھیڑیے کے پاس نہیں بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے سے بڑا بہادر آدمی ذرا بھیڑیے کے پاس تو بیٹھ کر دکھائے، خیر بھڑیا تو بھیڑیا ہے، خدا اس سے بچائے، میں نے وہ جلسے بھی دیکھے ہیں جہاں سماں بندھا ہوا ہے، سب ٹکٹکی لگا کر مقرر کو دیکھ رہے ہیں، اس کی تقریر پر کان لگائے ہوئے ہیں، اور ایک دَم سے کسی نے شور مچایا کہ سانپ آگیا، کسی نے تحقیق نہیں کی ابھی، یقین نہیں ہے کہ اس نے جلسہ کو منتشر کرنے کے لیے کہدیا ہے، اس میں کوئی پولیٹیکل سازش ہے، یا واقعی کوئی سچ مچ کا سانپ آگیا، پھر صاحب وہ جادو بیاں مقرر جو لوگوں پر جادو کررہے تھے، دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، اور جلسہ میں بھگدڑ مچ گئی، اس کو پرسکون کرنے، اور نظم وضبط برقرار رکھنے کی بہت کوشش کی، اور کہا بیٹھے رہیے، غلط ہے کچھ نہیں ہے، اور ایک سانپ کیا کرلے گا، اور سانپ سے آپ ڈرتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے، بڑے شرم کی بات ہے، اور والنٹریوں سے کہا کہ جاؤ دوڑو، پکڑو، اور اس کو نکالو، لیکن صاحب کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا، وہ شامیانہ بھی اکھڑ گیا، وہ کھمبے بھی لوگوں نے گرادیے، ایک کے اوپر ایک گرا جارہا تھا، اور لوگ زخمی ہوگئے۔

امن بہت بڑی نعمت ہے

یہ جلسوں میں ہوا ہے، اور آپ اس دھن میں نہ رہیں کہ یہ مقرر کی کوئی خوبی ہے، اور اللہ معاف کرے، ہمارے یہ بلانے والے جنھوں نے یہ جلسہ سجایا ہے، یہ شامیانہ لگایا ہے، اور لوگوں کو بلایا ہے، اور جن کے چہروں پر کوئی اعتبار ہے، عزت ہے، ان کی تعریف نہیں، بلکہ تعریف اس معتدل موسم کی ہے، اور یہ جو اس وقت امن وامان کی فضا ہے، اور یہ جو پرسکون فضا ہے، یہ کارنامہ اس کا ہے، یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، ہم اس کو بھول جاتے ہیں، لیکن اس دنیا میں آپ اگر لٹریچر دیکھئے، شاعری دیکھئے، اور ایجادیں دیکھئے، بڑے بڑے انکشافات دیکھئے، سائنس کی ترقی دیکھئے، ٹکنالوجی کی ترقی دیکھئے، فلسفہ کی ترقی دیکھئے، یہ سب نارمل حالات کی دین ہے۔

دنیا میں دوعظیم جنگیں عالمی جنگیں ہوئیں، اس وقت دنیا میں سب کچھ موجود تھا، ان دونوں جنگوں پر بڑا کام ہوا ہے، بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ یونیورسٹی کا کوئی اسکالر اس پر ڈاکٹریٹ کرے، مقالہ لکھے، کہ پہلی جنگ عظیم میں اور دوسری دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں کتنا کام ہوا، حالانکہ کہ ہر جگہ گولے نہیں برس رہے تھے، ہر جگہ بم نہیں گررہے تھے، ہر ملک کو خطرہ نہیں تھا، لیکن طبیعتیں پریشان تھیں، وہ سکون واطمینان نہیں رہا تھا، دنیا کے باقی رہنے کا یقین نہیں رہا تھا، کہ دنیا باقی بھی رہے گی یا نہیں، ایسا تو نہیں ہے کہ قیامت آجائے، مسلمان اس کو قیامت کہتے ہیں، اور ہمارے ہندو بھائی اور کسی طریقہ سے کہتے ہوں گے، لیکن آدمی کو یہ اطمینان نہیں تھا کہ رات کو سوئے گا تو صبح کو اٹھے گا بھی، اور یہ کہ دنیا کو کس کے لیے قائم رہنا ہے، محنت کس کے لیے، شاعری کس کے لیے، ادب کا کوئی کارنامہ، کوئی بہت بڑی چیز پیش کرنا، یہ کس کے لیے؟ جب دنیا ہی رہنے والی نہیں ہے، جب آدمی ہی رہنے

File F:\Front.tif not found.

والانہیں، تو پھر یہ کس کے لیے محنت کی جارہی ہے؟ آپ رامائین کو لیجیے، یا شاہ نامہ کو لے لیجیے فارسی کے، اور چاہے عربی کے، جو بہت بڑے بڑے ورکس ہیں، ان کو لے لیجیے، چاہے غالب کے دیوان کو لے لیجیے، چاہے میرتقی میر اور سودا کے کلام کو لے لیجیے، اور چاہے لکھنؤ اور دلی کے شعراء کے کلام کو لے لیجیے، یہ سب نارمل حالات کی چیزیں ہیں، تو ہر قیمت پر نارمل حالات کو باقی رکھنا چاہیے، یعنی پہلے انسان کو انسان پر بھروسہ ہو، اور انسان کو زندگی کا بھروسہ ہو، اپنی عزت کا بھروسہ ہو۔

اگر مجھے ہزار کوئی شوق دلاتا ہو، اور میرے یہاں گورکھپور میں بہت سارے دوست ہیں، بہت سارے عزیز ہیں، ہمارے پرانے تعلقات ہیں، اور ہم یہاں آتے رہتے ہیں، سب نے ہمیں شوق دلایا، اور آرام سے آرام دہ طریقہ سے لائے، لیکن ہمیں یہ ڈر ہوتا کہ ہماری بے عزتی ہوجائے گی، ہمیں وہاں کوئی پریشان کرے گا، تو میں آنے کی ہمت نہیں کرتا، اس لیے کہ آدمی کو اپنی عزت پیاری ہے، اولاد پیاری ہے، گھر پیارا ہے، وطن پیارا ہے، اور یہ سب چیزیں جب زد پہ آجائیں، یا خطرہ میں پڑ جائیں، تو نہ شعر کہنے کا مزہ ہے، نہ کسی اور چیز کا، شعر تو شعر، میں کہتا ہوں مذہبی فرائض ادا کرنے کا بھی مزہ نہیں، دلی کے ایک شاعر نے کہا تھا ؎

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذت گناہ میں

گناہ کی بھی لذت جاتی رہتی ہے، یہ سب باتیں ہیں، یہ سب مزے ہیں، یہ سب تماشے ہیں سکون وامن وامان کے اور معتدل حالات کے۔

معتدل حالات پیدا کیجیے

اس لیے سب سے بڑا فرض، اس ملک میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ نارمل حالات ہوں، آدمی کو آدمی کا بھروسہ ہو، اور آدمی کو اپنی زندگی کا بھروسہ ہو، کہ ابھی وہ رہے گا، ابھی محنت کرسکتا ہے، اسے کچھ کرنا چاہیے، اس کو ہاتھ پاؤں مارنا چاہیے، اپنے لیے بھی اور اپنے بچوں کے لیے بھی، اور علم میں اضافہ کرنے کے لیے، اور دنیا کو کچھ دینے کے لیے، کچھ دنیا کی جھولی میں ڈالنے کے لیے، کچھ روشنی عطا کرنے کے لیے، کچھ محبت کا اظہار کرنے کے لیے، خدا نے اس کو ایک جوہر دیا ہے، ایک کمال دیا ہے، اس کے اندر کام کرنے کا ایک شوق ولولہ پیدا کیا ہے، اس کے اظہار کرنے کا ابھی موقع ہے، اگر یہ معلوم ہوجائے، ڈاکٹر ابھی آکر کہدے کہ (خدا ہم کو، اور آپ کو، سب کو بچائے) کسی طرح ظاہر ہوجائے مریض پر، یا کسی تندرست آدمی پر کہ شام تک خیریت نہیں ہے، کان میں بھنک پڑگئی ہو، ڈاکٹر صاحب کچھ کہہ گئے ہیں، اب وہ پوچھ رہا ہے کہ کیا کہہ گئے ہیں، لاکھ آپ کہیے کہ بھائی کچھ نہیں، کچھ نہیں، آپ اطمینان رکھئے، لیکن کان میں ایک بات پڑگئی کہ شام تک خطرہ ہے، پھر صاحب آپ کسی طرح ان کا دل بہلانا چاہیں، کیسی عمدہ کہانی سنانا چاہیں، کیسی عمدہ غزل سنانا چاہیں، کیسا عمدہ کھانا کھلانا چاہیں، کسی دعوت میں لے جانا چاہیں، اس مریض کا دل نہیں لگے گا، بلکہ اگر تندرست آدمی کے کان میں ایسی بات پڑگئی ہے تو اس کا بھی کسی چیز میں دل نہیں لگے گا، اور وہ اسی وقت بیمار پڑجائے گا، لیٹ جائے گا، ایسا معلوم ہوگا کہ ساری طاقت جواب دے گئی، اور اس کے جسم کا پورا نظام فیل ہے۔

کیا بات ہوئی، کوئی گولی اس کو نہیں کھلائی گئی، کوئی انجکشن ایسا نہیں دیا گیا، جو وہ صبح کو تھا وہی اب بھی ہے، لیکن اس کا دل دھڑکنے لگا، اس کو اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں رہا، اب اس کو کسی چیز میں مزہ نہیں آتا، جس کو پھانسی کی سزا ہوتی ہے، جیل میں آپ جاکر جو پھانسی گھروں میں (اللہ اس سے بچائے) وہاں جاکر دیکھئے، جو جیلروں سے پوچھئے، یا ان کے عزیزوں سے پوچھئے، کسی بات میں ان کا جی نہیں لگتا، کوئی بات ان کو اچھی نہیں لگتی۔

تو سب سے پہلا کرنے کا کام کسی ملک میں، کسی دیش میں، کسی شہر میں، یہ ہے کہ نارمل حالات باقی رہیں، امن وامان باقی رہے، انسان کو انسان پر بھروسہ رہے، اور کام کرنے کا موقع رہے، کام کرنے کا وقت باقی رہے، انسان کے اندر خدا نے جو ذوق رکھا ہے، جو چنگاری ہے، اس کے اندر کام کرنے کی، وہ بجھنے نہ پائے، وہ اپنا کام کرتی رہے، تب تو یہ دنیا چمن ہے، باغ ہے، اس کا لطف اٹھایئے، زندگی کا لطف اٹھایئے، لیکن اگر سب کچھ اس دنیا کو دیدیا جائے، اور صرف یہ بھروسہ جو ہے دل کا، سکون جو ہے، اور انسان سے اچھی امید جو ہے، یہ اس سے لے لی جائے تو پھر بس سب خاک میں مل جاتا ہے، پھر کیسے ہی فلسفی دنیا کے جمع ہوجائیں، اور اطمینان دلانا چاہیں، اطمینان نہیں ہوتا۔

مریضوں کو اسپتالوں میں جاکر دیکھئے، کہ رنگت اڑی ہوئی ہے، ہوائیاں اڑ رہی ہیں،

File F:\Front.tif not found.

آدمی کے چہرہ کا رنگ زرد پڑا ہوا ہے، اور ابھی تو کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن اسپتال کی فضا کو بھی دخل ہے، آپ کسی مریض کو اپنے گھر لے آئیے، اور وہاں بچوں کے ہنسنے بولنے کی وہ آواز سنے، اور وہاں کسی کے بیمار ہونے کی بات اس کے کان میں نہ پڑے، تو اس کا خون بڑھ جاتا ہے، وہ اپنے کو تندرست محسوس کرنے لگتا ہے، اور اچھے خاصے آدمی کو اسپتال پہنچا کر دیکھئے، اسپتال تو ایک صحت کی جگہ ہے، لیکن اسپتال کا ماحول جو ہے، وہ بیماروں کا ماحول ہے، وہاں بیمار آتے ہیں، اور بیماری کی باتیں ہوتی ہیں، بیماری سے وہاں مقابلہ کیا جاتا ہے، اور دوا پلائی جاتی ہے، انجکشن دیے جاتے ہیں، وہاں کوئی خوشی کی بات نہیں سناتا، کوئی مبارکباد دینے نہیں آتا، سب مزاج پرسی کے لیے آتے ہیں، جو آتا ہے یہی پوچھتا ہے کہ خیریت ہے، رات کیسی گذری، آپ اچھے ہیں؟ جو آرہا ہے وہ یہی پوچھ رہا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھا بھلا آدمی بھی اپنے آپ کو مریض سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ اسپتال میں ہر طرح کا سکھ ہے، اور بعض بعض اسپتالوں میں تو ایسا ہے کہ لوگ وہاں شوقیہ جاتے ہیں، وہاں ایسا سکون ملتا ہے، وہاں ایسی عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی ہیں، خاص طور سے یورپ و امریکہ کے آدمی اسپتال کو گھر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن وہاں کا ماحول دوسرا ہے، اور ماحول کا اثر پڑتا ہے۔

اس زمانہ کا مرض

تو میرے بھائیو! سیدھی سی بات یہ ہے کہ خدا نے اس ملک کو سب کچھ دیا، کیسے کیسے لوگ یہاں پیدا ہوئے، اور خدا نے کوئی نعمت دے کر ہم سے چھینی نہیں، لیکن ہم نے اس کے لیے اپنی اہلیت اپنا کر اس کے لیے قابل اور مستحق ہونا ثابت نہیں کیا، ہم نے اس کی قدر نہیں کی، خدا کی نعمت کی قدر نہیں کی، جلد ہم میں لالچ پیدا ہوگئی، اور تھوڑے سے وقت میں زیادہ دولت مند بننے کی ہوس پیدا ہوگئی، دولت کمانے کا شوق برا نہیں ہے، یہ ہر زمانے میں رہا ہے، لیکن اس زمانہ کی بیماری ہے، کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کا شوق، یہ مصیبت ہے اس زمانہ کی، ہمارے موجودہ لٹریچر نے، ہمارے پریس نے، ہمارے ناولوں نے، کہانیوں نے جو فضا بنائی ہے، اور جو جلد بازی پیدا کردی ہے، اور جلدی پیسے سے جو آرام ملتا ہے کہ جو چیز ہم خرید سکتے ہیں، بازار میں گئے اور ٹی وی لے آئے، بازار میں گئے اور ریڈیو خرید لا آئے، اور ریفریجیٹر لے آئے، اور آرام کی چیزیں لے آئے، کولر لے آئے، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جلدی مل جاتی ہیں، اس لیے آدمی جلدی دولت مند بننا چاہتا ہے، پہلے دیر میں دولت مند بنتا تھا، اس کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارنا پڑتا تھا، پھر دولت کا جو نتیجہ تھا، دولت کی جو دین تھی، وہ بھی بہت دیر میں ملا کرتی تھی، ڈھونڈنے سے ملتی تھی، اب دولت بھی جلدی حاصل ہوتی ہے، ایسے طریقے نکل آئے ہیں۔

خاص طور پر وہ طریقہ جس کو لوگ بالائی آمدنی کہتے ہیں جو اوپر کی آمدنی ہے، وہ بہت جلدی دولت مند بنا دیتی ہے، اس دولت کا نتیجہ بھی جلدی حاصل ہوتا ہے، ابھی آپ کو ایک رقم ملی جو حساب میں نہیں تھی، جو آپ کو مہینوں بڑی محنت کرنے سے ملتی، کسی کو کام پڑ گیا تھا آپ سے، میں کسی خاص طرف اشارہ نہیں کررہا ہوں، کسی کو کسی سے کام پڑ گیا تھا، اس کو اپنا کام کرانا تھا، اور اِس کو بھی اپنا کام کرنا تھا، دونوں ایک دوسرے کے محتاج تھے، اس میں خدا کا بیچ میں کوئی واسطہ نہیں تھا، بیچ میں صرف مطلب تھا، وہ اپنا کام کرانا چاہتا تھا، یہ اس سے پیسے وصول کرنا چاہتے تھے، لیکن نتیجہ یہ ہے کہ دس ہزار روپے کی رقم جو برسوں میں ملتی، وہ یکمشت بیٹھے بٹھائی مل گئی، چونکہ اس کو بھی جلدی کام کرانا ہے، اور اِس کو بھی جلدی کام کرنا ہے، اس کے یہاں کی وقت کی بڑی قدر ہے، اور یہاں بھی جو پہلے نہیں تھی۔

نتیجہ یہ ہے کہ چٹ پٹ کام ہوگیا، اس نے چٹ پٹ دیا اور اس نے چٹ پٹ لیا، اور چٹ پٹ بازار جا کر اسی وقت سامان خرید لایا، اب جو گھر میں جاتا ہے تو بچے دیکھتے ہیں کہ ٹیلی ویژن بھی ہے، اور ریڈیو بھی ہے، اور جناب فریج بھی اور کولر بھی ہے، فلاں چیز بھی ہے، یہ سب کہاں سے ہوا، یہ بات پہلے نہیں تھی، پہلے بہت انتظار کرنا پڑتا تھا، بہت لمبا پروسس تھا، اس پروسس کو طے کرنا ہوتا تھا، تب جاکر پیسے ملتے تھے، اب یہ سب کام آندھی پانی کی طرح ہوجاتے ہیں، تو نتیجہ یہ ہے کہ ایک رات میں لوگ دولت مند بنا چاہتے ہیں، یہ ہے مرض ہماری سوسائٹی کا جیسا کہانیوں میں آتا ہے کہ ''ایک رات میں'' بس ایک رات میں سب کام ہوگیا، آج سوئے تھے ہم تو ایک معمولی آدمی تھے، متوسط درجے کے آدمی تھے، لیکن صبح اٹھے تو لاکھ پتی تھے۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

صلاح وفلاح

بعثت انبیاء علیہم السلام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی فرق کے سمجھانے اور اللہ تعالیٰ سے انسانوں کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے انبیاء کرام کا پورا نظام بنایا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کا تسلسل رہا ہے، گاؤں گاؤں، بستی بستی چھوٹے بڑے نبی آئے، اللہ تعالیٰ نے ان میں فرق بھی رکھا ہے، جس علاقہ میں جیسی ضرورت ہوئی، اور جیسی قوم ہوئی اسی حساب سے اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے، ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نبی میں کام کرنے کی صلاحیت پہلے ہی سے رکھتا ہے، پھر باقاعدہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی اور سرپرستی کرتا ہے، جب یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے تو پھر نبی کی ہر بات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، البتہ نبوت ملنے سے پہلے اس کی باتیں خود اسی کی ہوتی ہیں، لیکن اس کی طبیعت، اس کا مزاج اور اس کے حالات اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا ہوتا ہے کہ انسان جو بہتر سے بہتر بات سوچ سکتا ہے، وہ بحیثیت انسان کے ایک نبی سوچتا ہے، کسی مسئلہ میں بہتر سے بہتر جو رائے قائم کی جاسکتی ہے، وہ رائے نبی قائم کرتا ہے، غرض کہ ایک نبی انسانی صلاحیتوں کے اعتبار سے چوٹی پر ہوتا ہے، یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر انسانی صفات جو کسی انسان میں پیدا ہوسکتی ہیں، وہ اس کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں، لیکن اتنا ہے کہ وہ انسانی سطح پر ہی ہوتی ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ نبوت دیتا ہے تو اس وقت پھر اس کو انسانی سطح سے اوپر کی چیز مل جاتی ہے، انسانی سطح کی چیز تو اس میں بہتر سے بہتر ہے ہی، لیکن نبوت ملنے کے بعد مزید اس میں اللہ کی طرف سے سرپرستی ہوتی ہے کہ تم یہ کرو اور یہ نہ کرو، چنانچہ اس کا درجہ بہت اونچا ہوجاتا ہے، وہ انسان ہوتے ہوئے بہت بلند ترین جگہ پر ہوتا ہے۔

سورۂ انبیاء کی جن آیات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ بہت ہی دوررس اشارے دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اور بندوں کے درمیان کے تعلق کو ظاہر فرماتا ہے، اور بار بار یہ بتاتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، لیکن بسا اوقات انسان دھوکہ میں آجاتا ہے، اور وسائل وذرائع کو اصل سمجھ لیتا ہے، جب کہ وسائل وذرائع بھی اللہ تعالیٰ ہی نے رکھے ہیں، اس نے یہ نظام بنایا ہے کہ وہ انہیں سے کام کرتا ہے، لیکن اتنا طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، جیسے ہم انسانوں میں اس کی مثالیں اللہ نے رکھی ہیں کہ ہم تلوار استعمال کرتے ہیں، ہم اوزار استعمال کرتے ہیں، تو جو کچھ بھی ہم استعمال کرتے ہیں وہ سب اوزار کررہے ہیں، اسی طرح ہم سواری استعمال کرتے ہیں تو وہ ہم کو پہنچادیتی ہے، گویا وہ سواری ہمارے پہنچنے کا ایک ذریعہ بنتی ہے، لیکن چونکہ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ سواری ہمارے اختیار میں ہے، وہ خود سے نہیں پہنچاسکتی، ہم کتنی ہی خواہش کریں، کتنی ہی طلب ہو، لیکن وہ خود نہیں پہنچائے گی، جب تک آپ اس کو استعمال نہ کریں، تو خواہ کتنی ہی خواہش ہو، کتنا ہی گاڑی کے سامنے کھڑے ہو کر روئیں اور لجاجت کریں، مگر وہ نہیں پہنچاسکتی، اس لیے کہ بغیر کسی کے ہاتھ لگے یہ چیز اس کے اختیار میں نہیں، بلکہ وہ گاڑی بنانے والے کے تابع ہے، جس نے بنانے میں جس حساب سے اس کے پرزے رکھے ہیں، وہ اسی حساب سے کام کریں گے، وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کریں گے، اسی طرح آپ نے پنکھا چلادیا تو وہ چلتا رہے گا، جب تک کہ آپ اس کو بند نہ کریں وہ ہوا دیتا رہے گا، اور آپ کو فائدہ پہنچاتا رہے گا، مگر وہ خود کچھ نہیں کرے گا، کیونکہ وہ ایک ذریعہ ہے، غرض کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے یہ سب ذرائع سے ہوتا ہے، لیکن ذرائع خود اختیار نہیں رکھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے لیے ایک حد تک انسان کو ان ذرائع کے استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے، جیسے کسی کو ایک وسیع مکان میں بند کردیا جائے اور کہا جائے کہ تم اس کے اندر ہر جگہ جاسکتے ہو، مگر اس کے باہر نہیں جاسکتے، وہاں جانے کا اختیار نہیں ہے، البتہ یہاں کہیں بھی جایئے، کہیں بھی لیٹیئے، آپ کو سب اختیار ہے، لیکن باہر کا اختیار نہیں ہے، اسی طرح ایک چھوٹے سے دائرہ میں انسانوں کو اللہ نے اختیار دیا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھ سکے کہ انسان اختیار سے کتنا کرتا ہے اور کتنا نہیں، اختیار کی بنیاد پر وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے یا اپنے رب کی پسند پر چلتا ہے، اب کیا چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ان کو بتادیا گیا ہے کہ خالق ومالک کو کیا چیزیں پسند ہیں اور کیا چیزیں ناپسند ہیں، بس اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ کی پسند اللہ کی پسند کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے، چنانچہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ترازو مقرر کر رکھی ہے، لہٰذا تم جو بھی عمل کروگے وہ اس میں تلتا ہے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ آپ نے اللہ کی پسند کو اپنی پسند پر کتنی ترجیح دی، ترجیح نظر آنے والی چیز نہیں ہے، لیکن حقیقت میں وہ وزن رکھتی ہے، چنانچہ آپ نے اپنی پسند کے مقابل اللہ تعالیٰ کی پسند کو جتنی ترجیح دی ہوگی، اس کا اتنا ہی

File F:\Front.tif not found.

وزن ہوگا، گویا اس کا وزن وہاں بنتا چلا جارہا ہے، اسی وزن کے مطابق اللہ تعالیٰ حساب لے گا، حساب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا کتنا وزن ہے اس کو تولا جائے گا، پھر اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے گا۔

اس سورہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کے جو واقعات بتائے گئے ہیں، ان کا یہی مقصد ہے کہ لوگوں کو ان کا اختیار اور ان کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے، لوگ یہ دیکھ سکیں کہ نبی کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ انسانوں جیسا ہے، ان کے ساتھ فرشتوں والا کوئی معاملہ نہیں ہے کہ فرشتوں کو خود اختیار بھی نہیں ہے، بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی پسند پر چلتے ہیں، جیسے پنکھا آپ کے چلانے پر چلتا ہے، اسی طرح فرشتے بھی اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ کا چاہنا کافی ہوتا ہے، یہاں تو ہم کو پھر بھی بٹن دبانا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو بٹن دبانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہی کافی ہے، جو وہ چاہے کہ ہوجائے وہ ہوجائے گا، جس کا وہ حکم دے گا، فرشتے فوراً وہ کام کریں گے۔

ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات رکھ دی ہیں وہ اس میں پائی جاتی ہیں، جیسے پنکھے کا کام ہوا دینا ہے، تو وہ ہوا دے رہا ہے، اسی طرح آپ نے کوئی پودا لگایا، اب اس کا پروسیجر (Procedure) چلے گا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا نظام ہے، درخت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ وہ تابع ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جو نظام مقرر کیا ہے وہی نظام چلے گا، اس کے علاوہ اگر آپ کچھ چاہیں تو نہیں ہوگا، لیکن اس سے ہٹ کر ایک دائرہ میں انسان کے چاہنے کا اللہ تعالیٰ نے اختیار رکھا ہے، اسی اختیار کے استعمال کرنے کو "اعمال" سے تعبیر کیا جاتا ہے، انہیں کے وزن سے آدمی کے آخرت کے حالات متعین ہوں گے، اور وہاں کی زندگی متعین ہوگی۔

آئندہ صفحات میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے لیے چاہا، ان کو انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بھی دے دی، جیسا کہ حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام کا واقعہ میں آئے گا، اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوہے کو موڑ دیتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت دی تھی کہ وہ ہوائی جہاز کی طرح چلے جاتے تھے، جب جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا تو لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ کیسے ہوا کے دوش پر اڑتے ہوں گے، لیکن اب یہ بات ہر ایک کو بخوبی سمجھ آتی ہے، گویا نئی ایجادات ان چیزوں کی تصدیق کرتی ہیں جو قرآن مجید میں بتائی گئی ہیں، آج ایک معمولی سی ڈی کے اندر پورے پورے کتب خانے آگئے ہیں، جس کے بعد کراماً کاتبین کو سمجھنا کیا مشکل ہے، پہلے لوگ سوچتے تھے کہ فرشتے کاندھے پر کیسے بیٹھے ہیں، کہاں لکھ رہے ہیں، کیسے کاتب ہیں، کیا ان کے پاس کاغذ ہے، وہ کیسے سارے اعمال لکھتے ہیں، اور انسان کا جو حال وقال ہے وہ سب کیسے لکھ رہے ہیں، معلوم ہوا اس سب کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ایک ایک چیز ریکارڈ کر رہے ہیں، اب آپ دیکھیں کہ ذرا سی سی ڈی میں ساری تصویریں اور سب چیزیں آجاتی ہیں، جس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کتنا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے، غرض کہ سب کے اعمال واحوال کراماً کاتبین ریکارڈ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی ریکارڈ کی ہوئی یہی سی ڈی قیامت میں لوگوں کو دکھائے گا۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ اعمال نامہ ایک سی ڈی ہے جب یہ وہاں کھلے گی تو انسان دیکھے گا کہ ہم نے دنیا میں کیا کیا، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب تم بولو تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، ظاہر ہے کہ مجرم اپنا جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا، اب مجرم کیا کہہ سکتا ہے، اگر کسی مجرم کو آپ جرم کی حالت میں پکڑ لیں تو وہ کیا کہے گا، صرف معافی کی خوشامد ہی کرے گا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے جرم نہیں کیا، بلکہ جرم کے اقرار کے ساتھ معافی کی درخواست کرے گا، اور آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں معافی کا کوئی راستہ نہیں، بلکہ وہاں تو یہ ہے کہ جو یہاں کیا ہے وہ وہاں ملے گا، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے کہ جب وہ لوگ یہ کہیں گے کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے ہم اچھے عمل کرکے آئیں گے، تو کہا جائے گا کہ نہیں، ہم نے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے تم کو خوب سمجھایا تھا، سب کچھ تم کو بتا دیا گیا تھا، لیکن تم نے نہیں مانا تو اب تو سزا بھگتنا ہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ، وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ". [الفاطر:۳۶،۳۷]

(اور جنھوں نے انکار کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ہی ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی، اسی طرح ہم ہر انکار کرنے والے کو سزا دیں گے، اور وہ اس میں چلا چلا کر کہیں گے کہ ہمارے رب ہمیں نکال دے جو کام ہم کیا کرتے تھے ان کو چھوڑ کر ہم اچھے کام کریں گے (ارشاد ہوگا کہ) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرلے اور ڈرانے والا بھی تمہارے پاس آیا تو اب مزہ چکھو، بس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)۔

☆☆☆☆☆

فکر آخرت

سب سے بہتر وصیت

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

قارئین کے زیر مطالعہ یہ وصیت، وصیت صغریٰ کے نام سے مشہور ومعروف ہے، جو مشہور سیاح ابوالقاسم سبتی مقدسی کی فرمائش پر امام وقت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کی تھی، ابوالقاسم سبتی مقدسی نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تھی کہ کچھ ایسی نصیحتیں فرمائیں کہ دین ودنیا میں کام آئیں، مثلاً واجبات کی ادائیگی کے بعد کون سے اعمال افضل ہیں؟ دنیا کمانے کے لیے کون سی تجارت یا پیشہ کو ترجیح دی جائے؟ حدیث اور علوم شرعیہ کے مطالعہ کے لیے کون سی کتاب زیادہ قابل اعتماد ہے؟

چونکہ یہ وصیت جامع ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی چشم کشا اور بصیرت افروز بھی ہے، اس لیے اس کا اردو ترجمہ نذرِ قارئین ہے۔ [ادارہ]

میرے علم کے مطابق، پیروی کی خواہش رکھنے والے کسی صاحبِ فہم کے لیے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت سے زیادہ مفید کوئی وصیت نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ" [النساء:۴/۱۳۱]

(تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی، انھیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور تم کو بھی ہدایت کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو)۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا: ''اللہ سے ڈرتے رہو، جہاں کہیں بھی ہو اور بُرائی کے بعد نیکی ضرور کرو، جو اس کو مٹادے، اور لوگوں کے ساتھ نیک اخلاق سے پیش آؤ''، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت معاذؓ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنے پیچھے سواری پر ہمرکابی کی حالت میں فرمایا: ''اے معاذ! بخدا مجھے تم سے محبت ہے''، انھوں نے اس وصیت کو جامع سمجھا اور بلا شبہ یہ ہے بھی بہت جامع۔ ساتھ ہی یہ قرآنی وصیت کی شرح بھی ہے۔

اس کی جامعیت یوں ہے کہ بندے پر دو قسم کے حقوق ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کے، اور دوسرے بندوں کے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے، اس میں بعض اوقات اس سے لازماً کوتاہی سرزد ہوگی، یا تو کسی حکم کی بجا آوری میں یا ممنوعہ چیز کا ارتکاب کرکے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو''، ''جہاں کہیں بھی ہو'، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کے لیے ظاہر اور پوشیدہ دونوں حالتوں میں تقویٰ اختیار کرنا ضروری ہے۔

پھر فرمایا: ''برائی کے بعد نیکی ضرور کرو جو اسے مٹا دے''، اس لیے کہ مریض جب کوئی مضر چیز استعمال کر بیٹھے، تو طبیب اسے ایسی چیز استعمال کا مشورہ دیتا ہے جو ضرر سے محفوظ رکھے، کیوں کہ گناہ بندے کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، پس عقل مند وہ ہے جو بُرائیوں کو مٹانے کے لیے ہمیشہ نیکیاں کرتا رہے، نیکیاں بدیوں کی جنس میں سے ہوں، تو انھیں مٹانے میں زیادہ مؤثر اور کارآمد ہوگی۔

گناہوں کے اثرات تین چیزوں سے زائل ہوتے ہیں

ایک توبہ، دوسرے استغفار اور تیسرے نیک اعمال۔ استغفار، چاہے توبہ کے بغیر بھی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کی قبولیت میں اسے بخش دیتا ہے، لیکن اگر توبہ و استغفار جمع ہوجائیں تو یہ کمال درجہ ہے، تیسرے نیک اعمال، جو گناہوں کا کفارہ یا کفارہ ظہار، یا حج میں بعض ممنوعہ چیزوں کے ارتکاب کا کفارہ، مثلاً ۱-جانور کی قربانی، ۲-غلام آزاد کرنا، ۳-صدقہ وخیرات کرنا ۴-روزے رکھنا۔

عام نیک اعمال بھی گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ سے حضرت حزیفہؓ نے فرمایا: ''انسان سے اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کے معاملات میں مشغول رہنے کی وجہ سے ذکرِ الٰہی سے جو غفلت ہوجاتی ہے، نماز، روزہ، صدقہ وخیرات اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام انجام دینے سے وہ معاف ہوجاتی ہے''، قرآن وسنت کے بے

File F:\Front.tif not found.

شمار شواہد بتاتے ہیں کہ پنجگانہ نماز، صدقات اور دیگر اعمالِ صالحہ گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، ان اعمال کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان کی نشوونما کتنے ہی علمی و دینی ماحول میں ہوئی ہو، بلوغت سے مرتے دم تک جاہلیت کے بعض اعمال کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے۔

ہر خاص وعام کے لیے جو چیز نفع بخش ہے اور اسے پریشانیوں سے نجات دلا سکتی ہے، وہ ہے گناہوں کا ارتکاب ہوجانے کے فوراً بعد نیکیاں کرنا جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انجام دینے کا حکم دیا ہے، اس کے علاوہ گناہوں کو جو چیزیں مٹاتی ہیں ان میں سے ایک قسم ان مصیبتوں اور پریشانیوں کی بھی ہے، جو انسان کو رنج وغم اور مالی، جسمانی ومعنوی لحاظ سے پہنچنے والی تکالیف سے عبارت ہے، جن میں انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حق کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا: ''لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ''، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قطع تعلق کرے، اس کے ساتھ، سلام کلام، عزت واِکرام، اس کے لیے دعا واستغفار اور اس کی تعریف کے ذریعے جڑا جائے اور میل جول رکھا جائے، جو محروم رکھے، اسے تعلیم وتعلم سے اور مالی اور غیر مالی ہر طرح سے فائدہ پہنچایا جائے، جو جان، مال یا عزت وآبرو کے لحاظ سے ظلم کرے اور نقصان پہنچائے، اس کو معاف کیا جائے، ان میں سے کچھ چیزیں تو واجب ہیں اور کچھ مستحب اور مرغوب، 'خلق عظیم' کی حقیقت یہ ہے کہ انسان وہ چیزیں انجام دے جو اللہ کو پسند ہیں۔

رہی یہ بات کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی وصیت کیوں کر ہیں، تو وہ اس لیے کہ اللہ کے خوف اور تقویٰ میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے حتمی طور پر کرنے کا، یا اس سے رُک جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، لیکن چونکہ بسا اوقات تقویٰ سے مراد محض اللہ کے عذاب کا ڈر لیا جاتا ہے، اس لیے حدیث معاذؓ میں لفظ تقویٰ کی شرح بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے تقویٰ کی شرح یوں روایت کی ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ زیادہ تر کون سی چیز لوگوں کے جنت میں داخلے کا سبب بنے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ اور بہترین اخلاق۔ پھر پوچھا گیا کہ کون سی چیز زیادہ تر جہنم میں لے جائے گی؟ فرمایا: ''منہ اور شرم گاہ'' [ترمذی]۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں''۔

خیر اور نیکی کا سرچشمہ اور بنیاد یہ ہے کہ آدمی عبادت اور استعانت (فریاد طلبی) صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص کردے، چنانچہ بندے کو مخلوق سے اپنا دل اسی طرح پھیر لینا چاہیے کہ نہ ان سے کسی فائدے کی امید رکھے، اور نہ ان کی خاطر کوئی عمل کرے، بلکہ تمام توجہ اور رُخ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہو۔ اپنی ہر مشکل، پریشانی، تنگ دستی اور خطرہ وغیرہ میں اسی کو پکارتا رہے، اور اس کی پسندیدہ چیزیں تیار کرتا رہے، جس نے یہ کام کرلیا تو اس کے انجام کا کیا کہنا۔

سب سے اچھا عمل

نیز آپ نے پوچھا ہے کہ فرائض کے بعد سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ تو مختلف لوگوں اور ان کی مصروفیات اور مشاغل کے لحاظ سے، سب کے لیے ایک ہی لگا بندھا جواب ناممکن ہے، لیکن جس چیز پر سب کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا التزام وہ بہترین مشغلہ ہے جس میں بندہ اپنے آپ کو مصروف رکھے، مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کی اہمیت واضح کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مفردون'' سبقت لے گئے''، عرض کیا گیا: ''مفردون'' کون لوگ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''، حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمھارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے، اور تمھارے درجات کو تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے، اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں تمہارے لیے خیر ہے، اور تمہارے لیے اس میں اس جہاد سے بھی زیادہ خیر ہے، جس میں تم اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دو، اور وہ تمھیں ذبح کریں اور شہید کریں؟'' صحابہؓ نے

عرض کیا: ''ہاں، یا رسول اللہ! (ایسا قیمتی عمل ضرور بتائیے)'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اللہ کا ذکر ہے''۔

[ابوداؤد، احمد، ترمذی، ابن ماجہ]

ذکر کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ بندہ معلمِ انسانیت کے ماثور اذکار کی پابندی کرے، جیسے صبح وشام کے اذکار، سوتے وقت، بیدار ہونے پر اور فرض نمازوں کے بعد والے اذکار وغیرہ، اسی طرح وہ اذکار اور دعائیں جو مختلف حالات و مواقع کے لیے وارد ہوئی ہیں، جیسے کھانے پینے یا گھر، مسجد اور قضائے حاجت کے لیے داخل ہوتے اور نکلتے وقت کے اذکار، اسی طرح بارش ہونے اور بجلی چمکنے اور اسی طرح کے دیگر مواقع پر مسنون دعاؤں کا اہتمام، اس سلسلے میں ''شب و روز کے وظائف'' کے عنوان کے تحت کتابیں موجود ہیں۔

پھر عمومی ذکر کا اہتمام بھی کرے، اور اس میں سب سے بہتر لا الہ الا اللہ ہے، بعض صورتوں میں سبحان اللہ، والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اس سے افضل ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ اللہ سے قریب کرنے والی ہر چیز...... جیسے علم سیکھنا سکھانا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا، چاہے زبان سے ہو، عمل سے ہو، یا قلب میں اس کا خیال پیدا ہو...... وہ بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے، چنانچہ جو شخص ادائیگی فرائض کے بعد، علم نافع کی تلاش میں لگ جائے، یا کہیں بیٹھ کر ایسا علم سیکھے اور سکھائے، تو یہ بھی بہترین ذکر میں شامل ہے، اس بنا پر اگر آپ غور کریں، تو سب سے بہتر عمل کے سلسلے میں سلف کی باتوں میں آپ کو کوئی بڑا اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

بندے کو اگر کسی معاملے کے متعلق اشتباہ ہو جائے تو اسے استخارہ کر لینا چاہیے، اس لیے کہ جو استخارہ کرے گا وہ کبھی نادم و پشیمان نہیں ہوگا، استخارہ اور دعا بکثرت کرنی چاہیے، یہی چیز ہر بھلائی کی کنجی ہے، اس بارے میں اسے جلدی کرتے ہوئے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں نے بہت دعائیں کیں، مگر قبول نہیں ہوئیں، دعا کے سلسلے میں قبولیت کے اوقات کے پیش نظر رہنے چاہئیں، جیسے رات کا آخری حصہ، نماز کے بعد، اذان کے دوران اور بارش ہوتے وقت وغیرہ۔

وسائل رزق

جہاں تک کسبِ حلال کے سب سے زیادہ نفع بخش ذرائع و وسائل کا تعلق ہے، تو وہ ہیں: اللہ پر توکل، اسکے کافی اور رزق رساں ہونے پر پورا بھروسا، اور اس کے متعلق اچھا گمان، چنانچہ رزق کی تلاش کرنے والے کو چاہیے کہ رزق کے معاملے میں اللہ کا سہارا تلاش کرے اور اسی سے مانگے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں، اس لیے تم مجھ ہی سے رزق مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا''، امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں اپنی تمام ضرورتیں اور مرادیں اللہ ہی سے مانگنی چاہئیں، حتی کی اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے، تو وہ بھی اپنے رب ہی سے مانگو، اس لیے کہ وہ نہ دینا چاہے تو کچھ میسر نہیں آسکتا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ'' [النساء:۴/۳۲] (اللہ سے اس کا فضل مانگو)۔ مزید ارشاد ہے: ''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ'' [الجمعہ:۶۲/۱۰] (پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)، یہ آیت اگر چہ نمازِ جمعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا اطلاق تمام نمازوں پر ہوتا ہے، شاید اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اللّٰهم افتح لي أبواب رحمتك اور نکلتے وقت اللّٰهم إني أسئلك من فضلك ورحمتك کی دعائیں پڑھنے کی تعلیم دی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ'' [العنکبوت:۲۹/۱۷] (اللہ سے رزق مانگو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو)، یہ امر (حکم) ہے، اور امر، واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور رزق کے معاملے میں اسی کا دامن تھامنا، بہت بڑا دینی اصول ہے۔

پھر چاہیے کہ مال کو پورے استغنائے نفس کے ساتھ لے، تا کہ اس میں برکت واقع ہو، حرص وہوس اور دل کی رغبت وشوق سے اسے نہیں لینا چاہیے، بندے کے ہاں مال کی حیثیت ایسی ہو جائے کہ اس کی ضرورت تو ہے، مگر دل میں اس کی کوئی جگہ نہیں، اور مال و دولت کے لیے دوڑ دھوپ صرف اتنی اور اس حد تک ہونی چاہیے، جیسی قضائے حاجت کے لیے ہوتی ہے، ترمذی کی ایک مرفوع حدیث

File F:\Front.tif not found.

میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس پر اس حال میں صبح آئی کہ دنیا کا حصول ہی اس کا سب سے بڑا مطمح نظر تھا، تو اللہ اسکے معاملات کو پراگندہ کردے گا، اور اس کے وسائل رزق کو منتشر کردیگا، اور دنیا میں سے اسے صرف اتنا ہی حصہ ملے گا، جو اس کی قسمت میں لکھا ہے، مگر جس پر صبح اس حال میں آئی کہ آخرت ہی اس کا سب سے بڑا مطمح نظر تھا، تو اللہ اس کے معاملات کو سنوار دے گا، اس کے دل میں استغنا اور بے نیازی پیدا کردے گا، اور دنیا مجبور ورسوا ہوکر اس کے قدموں میں آگرے گی''۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ تمہیں دنیا میں سے حصہ پانے کی ضرورت تو ہے، مگر آخرت میں سے حصہ پانے کی تمھیں اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، لہٰذا اگر تم نے آخرت کے حصے سے آغاز کیا، تو دنیا کا حصہ تمھیں خود بخود مل کر رہے گا۔

جہاں تک صنعت و حرفت، تجارت و زراعت یا عمارت سازی اور رزق کے اس طرح کے دیگر وسائل و ذرائع میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کا تعلق ہے، تو اس کا دار و مدار ہر آدمی کے طبعی میلان پر ہے، اس بارے میں کوئی لگا بندھا اصول وقاعدہ میرے علم میں نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے کسی پیشہ کو اختیار کرنا چاہے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکھائے ہوئے استخارہ پر عمل کرنا چاہیے، اس میں ناقابلِ بیان حد تک برکت ہے، اس کے بعد جو چیز اسے میسر ہوجائے، اسے چھوڑ کر خواہ مخواہ بلاضرورت کسی اور پیشے میں ٹانگ نہ اڑائے، الا یہ کہ اس میں کوئی شرعی قباحت ہو۔

علمی کتب

جہاں تک علم کے حصول کے لیے مناسب کتابوں کا تعلق ہے تو یہ نہایت وسیع میدان ہے، اس کا دار و مدار کسی حد تک ان ممالک و علاقہ جات پر بھی ہے جہاں انسان پروان چڑھا ہے، اس لیے کہ بعض ممالک میں علوم و فنون اور اس کے مسلک ومکتب فکر کی ایسی چیزیں میسر ہوتی ہیں جو دوسرے ممالک میں میسر نہیں ہوتیں، لیکن خیر و نیکی کی بنیاد یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوارث علم کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے، اس لیے کہ یہی وہ علم ہے جو علم کہلائے جانے کا سزاوار ہے۔

انسان کو سب سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر ونواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے مقاصد اور حکمتوں کو سمجھنا چاہیے، اگر اس کا دل اس بات پر مطمئن ہوجائے کہ کسی بات کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مطلب اور غرض تھی، تو اسے اللہ کے اور بندوں کے ساتھ تعلق، میں حتی الوسع، اسے چھوڑ کر کسی اور بات پر عمل نہیں کرنا چاہیے، بندے کو کوشش کرنا چاہیے کہ اس کے پاس علم کے تمام ابواب کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول بنیاد موجود ہو۔

اگر لوگوں کو اختلاف کی وجہ سے کسی معاملے میں اسے شرح صدر حاصل نہ ہو، تو مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں سکھائی گئی دعا کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو نماز پڑھنے کے لیے اُٹھا کرتے، تو فرماتے: ''میرے اللہ، جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے، کھلے چھپے کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کے درمیان صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، جس میں اختلاف ہے، تو حق کی طرف میری رہنمائی فرما، تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے''، اللہ تعالیٰ نے خود بھی حدیث قدسی میں فرمایا ہے: ''میرے بندو، تم سب گم کردہ راہ ہو مگر جسے میں ہدایت دوں، لہٰذا مجھ ہی سے رہنمائی طلب کرو، میں تمہیں راہ دکھاؤں گا''۔

کتابوں میں بخاری سے زیادہ مفید کوئی اور کتاب نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علم کے تمام اصول ومبادی اس میں آگئے ہیں، علم کے مختلف ابواب اور فروع میں تبحر کی خواہش رکھنے والا شخص اپنا پورا مقصد صرف اسی کتاب پر انحصار کرکے حاصل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ دیگر احادیث اور ان معاملات کے بارے میں اہلِ علم وفقہ کے اقوال وآراء کا جاننا بھی ضروری ہے، جن کا علم ان حضرات ہی کے ساتھ مخصوص ہے، مگر جس شخص کو نور بصیرت سے محروم رکھا گیا ہے، کتب کی بہتات، اس کی سرگردانی اور گمراہی میں اضافہ ہی کرے گی، جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ انصاریؓ سے فرمایا تھا: ''کیا یہود ونصاریٰ کے پاس تورات وانجیل موجود نہیں ہے؟ انھوں (تورات وانجیل) نے انھیں کیا فائدہ پہنچایا؟''۔

(ترجمہ: عبدالحی)

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

حکمت دین

مثبت اسلامی اقدامات، اور ان کے ثمرات

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ہر طرح کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، جو اس کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں، اور اس کو شرافت انسانی، صنعت وترقی، علمی اور عقلی شعور کا اعلیٰ معیار عطا کرتی ہے، اسی وجہ سے انسان اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی پر رہ کر معاشرے اور زندگی کا ایک نظام بنائے، گرچہ ان کے علاقے مختلف ہوں، اور انہیں رسوم ورواج، ماحول کی تبدیلی، قوموں اور قبیلوں کے اختلاف کا سامنا کرنا پڑے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان جس مقام بلند کا حامل ہے وہ بہت اہم اور نازک ہے، وہ اپنے رب، ضمیر، کائنات اور تمام انسانوں کے سامنے اس امانت کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہے، یہ امانت عظمیٰ آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی تو سب نے یک لخت اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کردیا، اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ اس کا حق ادا نہ کرسکیں، لیکن انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عقل کی دولت سے نوازا ہے، اور اس کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے علوم وافکار کی بے انتہا دولت عطا کی ہے، اس نے اپنے رب کی توفیق سے اس بار امانت کو اٹھایا، جس سے اس کی شان دوبالا ہوگئی، اسی مفہوم کو سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

"إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا" (ہم نے دین کی امانت کا بوجھ آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے عاجزی ظاہر کردی اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، یقیناً انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے)، مولانا جلال الدین رومی نے صحیح کہا ہے:

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام منِ دیوانہ زدند

امانت کے اسی مفہوم کو حدیث کی مختلف کتابوں میں کچھ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته، فالامام راع، و هو مسئول عن رعيته، والمرأة راعية و هي مسئولة عن رعيتها في بيت زوجها، الخادم راع و هو مسئول عن مال سيده، فكلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته" (تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا، امام ایک الگ ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور ایک عام آدمی سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا ہوگی، عورت بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے شوہر کی امانت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور خادم بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے آقا کے مال کے بارے میں پوچھا ہوگی، تو سب کے سب ذمہ دار ہیں اور سب سے ان کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا)۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو جو بلند مقام عطا کیا، وہ لفظ 'كُنْ فَيَكُوْنُ' [ہوجا، تو ہوجاتی ہے] کی ادنیٰ سی مثال ہے، بلکہ اس لفظ کے حرف 'ک' ہی کا نتیجہ ہے، اگر دنیا کے تمام دانشور ایک جگہ اکٹھا ہوجائیں اور ایک مرکز میں جمع ہوجائیں، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وسیع قدرت کا ادراک کرنا چاہیں تو اس کے ایک ذرہ تک نہیں پہونچ سکتے اور نہ اللہ کی اس عظیم قدرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جو دنیا کی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کچھ اس طرح سے بیان کرتا ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" (اس کے برابر کوئی نہیں اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے)، زمین وآسمان اور کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں، جو اللہ کی وسیع قدرت کے سامنے سربسجود نہ ہو، جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ ہی کوئی انتہا، اور ہر چیز میں ایک نشانی ہے، جو اس کی عظیم قدرت کی طرف کی اشارہ کرتی ہے، اور اس کے علم، اس کی کبریائی اور اس کی وحدانیت پر ان لوگوں کے لیے دلائل فراہم کرتی ہے جو عقل سلیم اور قلب منیر رکھتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر [اولوا الالباب] کا خطاب دیا ہے:

"الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (جو لوگ

اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی نیز آسمان و زمین کی بناوٹ میں غور کرتے رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! آپ نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا، آپ کی ذات تمام خامیوں سے پاک ہے، پس آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے)۔

اس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک پیمانہ متعین کیا ہے، تاکہ ہم اس کی معرفت تک رسائی حاصل کرسکیں، اور اس کی عظمت اور جلالت شان سے آگاہی ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف بہت ہی صراحت کے ساتھ ان الفاظ میں کرایا ہے: "تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)، مزید فرمایا:

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ، لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى، يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (وہی اللہ ہیں، جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے ہیں، وہ بڑے مہربان اور بے حد رحم کرنے والے ہیں، وہی اللہ ہیں جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہیں، ہر عیب سے پاک ہیں، سلامتی عطا کرنے والے اور امن بخشنے والے ہیں، نگہبان ہیں، غالب ہیں، خودمختار اور بڑی عظمتوں والے ہیں، اللہ کی ذات ان لوگوں کے شریک ٹھرانے سے پاک ہے، وہی اللہ پیدا کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے اور صورتیں بنانے والے ہیں، ان کے اچھے اچھے نام ہیں، آسمان و زمین جو چیزیں ہیں، سب ان کی پاکی بیان کرتی ہیں اور وہی ہیں غالب اور بڑی حکمت والے)۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے سلسلے میں محض غور وفکر کرنے سے ہی کائنات اور انسان کے حقائق کی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے، جس سے وہ اس کائنات میں اپنے وجود کے راز سے واقف ہوسکتا ہے، اور عالم انسانیت کی تعمیر واصلاح جس محکم اصول پر قائم ہے، جسے زبان نبوت نے توحید، رسالت اور ارکان اربعہ کا نام دیا ہے، اس سے واقفیت بھی از حد ضروری ہے، حدیث میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں:

"بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا اله إلا الله و أن محمداً رسول الله، و إقام الصلوة، و إيتاء الزكاة، و الحج، و صوم رمضان" (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ۱-اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، ۲-نماز قائم کرنا، ۳-زکوۃ دینا، ۴-حج کرنا، ۵-رمضان المبارک کے روزہ رکھنا)۔

اللہ کا پسندیدہ دین اسی اصول پر قائم ہے، اور وہ بغیر کسی تغیر وتبدل کے فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی مزاج کے ساتھ اس دنیا میں رہے، اور انہوں نے دنیا کی تمام مخلوقات کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقے بتائے، اور سارے جہاں کے استاذ کا درجہ پالیا، حق کو باطل سے اور طاعت کو معصیت سے اپنے عملی مثالوں کے ذریعہ واضح فرمایا، اللہ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نے انہیں اولیاء اللہ کی فہرست میں جگہ دے دیدی، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خیر امت کا لقب دیا، جو اس سے پہلے کسی بھی امت کو نہیں دی گئی، اور اس امت کی پیشانی پر تاقیامت خیر امت کا لقب کندہ کردیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" (تم بہترین امت ہو، لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بھیجے گئے ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائیوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: والذی نفسی بيده، لتأمرن بالمعروف و لتنهون عن المنكر، أوليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا منه، ثم تدعونه فلا يستجاب لكم۔ (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم بھلائیوں کا حکم دیتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عذاب نازل فرمادے، پھر اگر تم انہیں پکاروگے تو تمہاری نہیں سنی جائے گی)، گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے تاکیداً یہ بات فرمائی کہ جب یہ امت اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمزور پڑ جائے گی، یا ناامیدی اور مایوسی کا منحوس بادل اس پر چھا جائے گا، تو پھر یہ اپنے اس مقام سے دستبردار ہوجائے گی، جس

File F:\Front.tif not found.

سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے، اور یہ امت دنیا کے بازار میں بے قیمت ہو جائے گی، پھر تو ذلت و مسکنت اس کا مقدر ہوگی۔

اس وقت امت کی صورتحال ظن و تخمین پر مبنی نہیں، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ امت اپنی تمام خصوصیات و امتیازات کھو چکی ہے، ایک دور وہ بھی تھا جب کبھی یہ امت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی تفسیر اپنی عملی زندگی سے پیش کرتی تھی، جس کی وجہ سے تمام لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہی امت آج بے راہ روی کا شکار ہوگئی، اور ان لوگوں کی اندھی تقلید کرنے لگی، جو ان کے ساتھ کھلواڑ کرر ہے ہیں، اور انہیں دین حق سے دور کرر ہے ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ انہیں ذلت و پستی کے عمیق غار میں ڈھکیل رہے ہیں، قرآن نے ان کی سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا ہے:

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے چراغ کو پھونکوں سے بجھا دیں، اللہ تعالیٰ تو اس کی حفاظت کرتا رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گذرے)۔

کیا ان کی نگاہیں اس طرف نہیں جاتیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے ایک عام قانون (CommonLaw) اتارا ہے، جس میں رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کے لیے رہنمائیاں موجود ہیں، خواہ وہ زندگی کے مثبت اقدامات سے تعلق رکھتے ہوں یا منفی، اللہ کی پسندیدہ چیزیں ہوں یا ناپسندیدہ، سب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی سیرت طیبہ اس امت کے تمام افراد کے لیے ایک عملی نمونہ ہے، چاہے وہ کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی زمانے سے تعلق رکھتے ہوں، انہیں اس بات کا قطعی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ یہ عذر پیش کریں کہ انہیں اللہ کے اوامر پر عمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا، حالات سازگار نہیں تھے، اس لیے کہ بغیر کسی اختلاف و امتیاز کے دینی فطرت انسانی فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فطرتیں اور افکار وخیالات بدلتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں زندگی کے پرامن شاہراہوں پر فساد برپا ہوجاتا ہے، اور بات نزاع اور لڑائی تک پہونچ جاتی ہے۔

قدیم وجدید انسانی تاریخ میں جو عداوت و مخالفت کے سلسلہ میں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ لڑائیاں اور جھگڑے زندگی اور معاشرے کے مثبت اور منفی اقدامات کے درمیان کشمکش کا نتیجہ تھا، اور تاریخ کے اوراق پر گذشتہ قوموں کی لڑائیوں کا تذکرہ بھی صرف اس لیے ہے کہ وہ لوگ کبر وغرور میں ڈوبے ہوئے منفی فکر کے حامل تھے، اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے، جسے چھپایا نہیں جا سکتا، عالم انسانیت نے گذشتہ صدیوں میں ایسی لڑائیوں کا مشاہدہ کیا ہے، جن سے ملک کے ملک تباہ وبرباد ہوئے، اور یقیناً یہ بھی منفی سوچ، کبر وغرور، جعل سازی، اور دھوکہ دہی کا نتیجہ تھا۔

رہی بات اسلام کی تو وہ کفر اور شرک سے برسرپیکار رہے، جہاں ایک طرف وہ لوگوں کو دین حنیف کی دعوت دیتا ہے، وہیں دوسری طرف انکار اور کفر پر اصرار کرنے اور کرپشن پھیلانے کے صورت میں ان سے جنگ کرنے کیلئے آمادہ کرتا ہے، تاکہ انہیں منفی اقدامات، نفسانی خواہشات، اخلاقی امراض سے ہٹا کر مثبت حقائق، اور پاکیزہ انسانیت کے راستہ پر لایا جائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرتے ہیں: "نَحْنُ أَوْلِيَاءُ كُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ، وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ، نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ" (ہم ہی تمہارے قریبی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں، اور تمہارے لیے اس میں وہ ہے جس کی تم خواہش کروگے، اور تمہارے لیے وہ ہے جس کا تم مطالبہ کروگے، یہ مہمانی ہے مغفرت کرنے والے اور رحم کرنے کی طرف سے)۔

امت محمد یہ سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت مند ہے کہ وہ مثبت اقدامات کی قیمت پہچانے، جس کے بغیر زندگی کا کوئی مقصد نہیں، اور نہ ایمانی درخت اس کے بغیر ثمر آور ہو سکتا ہے، بلاشبہ باطل کی نفی اور حق کا اثبات دین کا اساسی جزء ہے، جس سے دین حق دو دو چار کی طرح واضح ہوجاتا ہے، لوگ کسی زمان و مکان میں اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، خصوصا اس وقت جبکہ مادی تہذیبوں پر باطل کا اثر ورسوخ قائم ہو، جس نے حکومتوں اور ملکوں کو فساد وبگاڑ کی آماجگاہ بنادیا ہے، اور مرد مؤمن اور داعیان حق حاشیے پر آگئے ہیں، اور لوگ بیکار فلسفیانہ بحثوں اور تہذیب حاضر کی تجلیوں کو دیکھ کر پتنگوں کی طرح اس کے اردگرد ٹوٹ پڑنے لگے، فکری بے راہ روی کی بہت سی مثالیں ہیں، جو دہشت پسندی اور مجرمانہ کردار کے حاملین اور اس کے لیڈران

انجام دے رہے ہیں۔

چنانچہ اس وقت شدید ضرورت اس کی بھی ہے کہ ہم دین کی خالص، چمکدار سونے کو اس عالم مادی کے سامنے پیش کریں، جو کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق کرنا نہیں جانتی، جو خالص سونے اور پانی چڑھائے ہوئے لوہے کے درمیان تمیز کرنے سے عاجز ہے، اور یقیناً یہاں پر سوائے افسوس اور رنج وغم کے اور کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ تو اے دین اسلام کو ماننے والو! اسلام کے سایہ میں آؤ اور ایمان وعقیدہ کی ضیاء پاشیوں سے اپنے اندرون کو منور کرو، نہ کہ مادیت کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ کھا کر اپنے ایمان کا سودا کرلو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ، اَلزُّجَاجَۃُ کَأَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ، یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ“ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی طاق ہو، اس میں چراغ روشن ہو، چراغ شیشے میں ہو، اور شیشہ ایسا، جیسے جھلمل کرتا ستارہ، اسے مبارک درخت زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو، جو نہ مشرقی ہو نہ مغربی، لگتا ہو کہ اس کا تیل خود ہی جل اٹھے گا، خواہ آگ اس کو چھوئے بھی نہ، وہ نور ہی نور ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہبری فرماتا ہے)۔

(ترجمانی: محمد عادل، علیا ثانیہ ادب)

☆☆☆☆☆

بھٹکل کی بزرگ شخصیت ڈاکٹر ملپا علی مرحوم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

بھٹکل کی بزرگ شخصیت ڈاکٹر ملپا علی صاحب کے دینی فیض سے بھٹکل کے مسلمان اصلاح وارشاد کا فائدہ اٹھارہے تھے اور ان کی اصلاح وارشاد کی کوششوں سے وہاں کے لوگوں کو دینی تربیت مل رہی تھی اب وہ شخصیت وہاں نہیں رہی، وہ رشد وہدایت کا عمل انجام دے کر اپنے مالک وپروردگار کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح وہاں دینی تربیت کی لائن میں ایک بڑا خلا چھوڑ گئے ”إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون“، ان کا ارشاد واصلاح کا تعلق مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے رہا تھا، اور ان کی تربیت وارشاد کا انداز بھی ان ہی سے ماخوذ تھا، اور وہ ان کو مرشد جلیل ومربی عظیم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے حاصل ہوا تھا، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ اپنے شیخ کے خلفاء کی آخری کڑی اور ان کے سلسلہ کے جانشین تھے اور آخر میں حضرت تھانویؒ کے دیگر متعلقین ان ہی سے زیادہ استفادہ کرتے تھے۔

بھٹکل صوبہ کرناٹک کی ساحلی پٹی میں واقع ہے، وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی خصوصیت زیادہ نمایاں پائی جاتی ہے، اس میں وہاں کے اس آخری مدت میں ڈاکٹر ملپا علی صاحب اور ان کے رفقاء کی دینی فیض رسانی کا خاص دخل تھا، اور اب کچھ عرصہ سے وہ وہاں تنہا اس سلسلہ میں فیض رساں کی حیثیت سے دیکھے جارہے تھے اور ان کے اثر سے وہاں متعدد اہل علم ان سے فیض حاصل کرکے ان کے خلافت یافتہ ہوئے جو ان شاء اللہ ان کی یاد کے باقی رہنے کا ذریعہ بنیں گے۔

ڈاکٹر ملپا علی صاحب اور ان کے رفقاء کا نصرت دین کے سلسلہ میں ایک اہم کام وہاں اہم دینی تعلیم گاہ جامعہ اسلامیہ کی تاسیس میں شرکت کا رہا، آخر دور میں ڈاکٹر ملپا صاحب نے اس کی خصوصی سرپرستی کی، اس جامعہ کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت بھٹکل کے مسلمانوں میں بہت اثرانداز ہوئی، اس کے ذریعہ علمائے دین کی پوری ایک نسل تیار ہوگئی اور اس سے بھٹکل میں دینداری کی اچھی فضا قائم ہوئی جو وہاں جانے والوں کو نظر آتی ہے، اور اس کے اثر سے بھٹکل کی نئی اٹھتی ہوئی نسل کو خصوصی فائدہ پہونچ رہا ہے اور بیا کثر لوگ حضرت ڈاکٹر صاحب سے عقیدت کا تعلق رکھتے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب میں دین کی نصرت وتقویت کا جذبہ بہت نمایاں تھا، ان کی ہر مجلس دین کے تقاضے کی طرف متوجہ کرنے پر مشتمل ہوتی تھی، اور وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے سلسلہ میں کسر نفسی کا اظہار کرتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ دعا کریں خاتمہ بالخیر ہو، ان کی اس بات سے سننے والے کے لیے نصیحت حاصل ہوتی کہ یہ شخص دینی جذبہ وکیفیت میں اتنا ڈوبا ہوا ہے، وہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو ہم کوتاہ اور تقصیر دینی میں مبتلا لوگوں کے لیے یہ زیادہ سوچنے کی بات ہے، بہرحال ان کی مجلس دینی نصیحت وتوجہ دہانی کی مجلس ہوتی تھی۔

وہ عمر کی اس منزل میں کمزوری محسوس کرنے کے باوجود دینی ضرورت میں بڑے صاحب ہمت نظر آتے تھے، مجھے جب بھی بھٹکل جانا ہوتا، تو یہ نیت رہتی تھی کہ ان سے بطور خاص ملیں گے اور ان کی فیض رساں باتیں سنیں گے، اس پر عمل کرنے سے قبل وہ خود آجاتے اور محبت واخلاق کا اظہار کرتے، پھر میں موقع پاکر ان کے پاس جاتا اور ان کی باتوں سے فائدہ اٹھاتا، اب وہ نہیں رہے اور بھٹکل جانے والوں کو ان سے ملنے کا جو فائدہ حاصل ہوتا تھا، وہ اب نہیں رہا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت ورحمت ورفع درجات کا معاملہ فرمائے اور ان کے جانے سے جو جگہ خالی ہوئی ہے، اس خلاء کو دور فرمائے آمین۔ ☆☆☆

اصلاح ودعوت

دین کے نام دنیا کمانے والوں کی عبرتناک سزا

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ ایسے (مکار) لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی وفقر (بزرگی) ظاہر کرنے (اور ان کو متاثر کرنے کے لیے) بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی، اور دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے، (ان کے بارے میں) اللہ کا فرمان ہے یہ لوگ (میرے ڈھیل دینے اور فوری پکڑ نہ کرنے سے دھوکا کھا رہے ہیں یا (مجھ سے نڈر ہوکر) میرے مقابلہ میں جرات کررہے ہیں، مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان (مکاروں) پر انہی میں سے ایک ایسا فتنہ کھڑا کروں گا، جو ان میں کے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران وپریشان بنا کے چھوڑے گا۔[ترمذی]

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا کام کریں گے، وہ اس دین کے ذریعہ سے دنیا کمائیں گے، اور غالباً آج یہ دور آگیا ہے، کیونکہ اب اس کی اتنی زیادہ شکلیں سامنے آرہی ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دین اس وقت دنیا کمانے کے لیے ہی رہ گیا ہے، کیونکہ لوگوں نے دین کو، دینی کاموں کو، دینی مراکز کو اور دین کے دوسرے شعبوں کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے، اور دین کے ذریعہ دنیا کمانے کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر لوگوں کو یہ احساس کرایا جائے کہ وہ دین کا کام کرتے ہیں لیکن اس کی آڑ میں رہ کر دنیا کو حاصل کیا جائے، حالانکہ اسلام میں پیسہ کمانا منع نہیں ہے، بلکہ پیسہ کمانا بہت ضروری ہے، لیکن یہ چیز اسلام میں قطعاً درست نہیں کہ کوئی انسان دنیا حاصل کرنے کے لیے دینی لبادہ اوڑھ کر اس کی آڑ میں دنیا کمائے، مثلاً: کوئی انسان اپنے لوگوں کے دلوں میں محبت و عقیدت پیدا کرے، اور لوگوں کے سامنے اس طرح رہے کہ بہت بڑا بزرگ سمجھا جائے، دینی کام کرنے والا سمجھا جائے، لوگ اس کا ہاتھ چومیں، لوگ اس کو ہدیہ دیں، اور اس کی بات مانیں، اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں، وہ جو مشورہ دے اس کو لوگ مانیں اور اس پر عمل کریں، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن سے آج کل کے حضرات دنیا کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔

حال تیرا جال ہے

اسی لیے مندرجہ بالا حدیث میں فرمایا گیا کہ آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین کا بہانہ بنائیں گے لیکن اس کے ذریعہ سے دنیا کمائیں گے اور یہی نہیں فرمایا بلکہ کہا کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے، اور اپنی بڑائی لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے اور اپنی بزرگی کا لوہا منوانے کے لیے، ایسے حضرات بڑی بڑی باتیں کریں گے، اور ایسا زاہدانہ، صوفیانہ، متقشفانہ لباس اختیار کریں گے کہ لوگ ان کا لباس ہی دیکھ کر، اور ان کی وضع قطع کو دیکھ کر ہی یہ سمجھیں گے کہ یہ کوئی بڑا اللہ کا ولی آیا ہے، حالانکہ دین کا اس سے بالکل کوئی تعلق نہیں ہوگا، نہ دین کی ان پر چھاپ ہوگی، نہ ہی دین کی طرف ان کا دل مائل ہوگا، حدیث کے الفاظ ہیں کہ ان لوگوں کے دل بھیڑیوں کی طرح سخت ہوں گے، زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی، کسی کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہوگا، چاہے کوئی تباہ ہو، یا کوئی بھٹک جائے، یا کوئی پریشان حال ہوجائے، کوئی کہیں بھی جائے، بس ہمارا کام بن جائے، یہ چیز ان کے ذہن میں ہوگی، اور اس کی خاطر ایسے لوگ فیصلے بھی بے لگام کریں گے، حالانکہ اللہ والے بہت احتیاط سے فیصلہ کرتے ہیں، اور جو اس طرح کے لوگ ہوتے ہیں وہ کھٹ سے فیصلہ کردیتے ہیں، کیونکہ ان کو کسی سے محبت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا کوئی زندہ رہے یا مرجائے، وہ تو صرف اپنا ہی فائدہ چاہتے ہیں، اور اسی کے لیے ان کی ساری تگ ودو اور محنتیں ہوتی ہیں، اور اسی کے لیے وہ ایسا جال بنتے ہیں کہ بڑے درجے کا جھوٹا ہونے کے باوجود بھی ان کو سچا سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ایک حدیث میں ایسا بھی آتا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک دور ایسا آئے گا کہ اس وقت یصدق الکاذب، ویکذب الصادق یخون الامین ویؤتمن الخائن، کہ جو سچا ہوگا اس کو جھوٹا قرار دیا جائے گا جو جھوٹا ہوگا اس کی سچائی کے چرچے ہوں گے اور جو خیانت کرنے والا ہوگا اس کو لوگ بہت امانت دار سمجھیں گے اور امانت دار کو خیانت والا سمجھیں گے، گویا کہ ایسا پروپیگنڈہ کا دور ہوگا کہ جھوٹ کو سچ، سچ کو جھوٹ بنادیا جائے گا، اگر

File F:\Front.tif not found.

اس حدیث کو سامنے رکھ کر آج کل کا دور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دور بھی اس وقت آچکا ہے کہ صحیح لوگوں کو اور صحیح کام کرنے والوں کو پہچاننا بھی اس وقت مشکل ہے، اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی اسی لیے مشکل ہوتا چلا جارہا ہے کیونکہ جب یہ حالت ہوگی تو کس کو پہچانا جاسکے گا؟

دھوکہ یا جرأت؟

لیکن اس طرح دین کی آڑ میں دنیا کمانے والے ان جھوٹے اور مکار لوگوں کو اسی حدیث کا اگلا قطعہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "أبی یغترون أم علیّ یجترؤون" کہ اس طرح کے یہ لوگ میرے بارے میں دھوکہ کھارہے ہیں؟ یا اتنا زیادہ حد سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ میرے بارے میں بھی جرات کرنے لگے ہیں؟ اور میرا بھی ان کو کوئی خیال نہیں رہا ہے، تب تو میں ان لوگوں کو ضرور ایسے فتنے میں ڈالوں گا کہ ان میں سے بڑے بڑے ہونہار، ہوشیار، سمجھدار، جو اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اپنا ڈنکا پٹوا رہے ہوں گے اور اپنی شہرت کو بام عروج تک پہنچا رہے ہوں گے اور نہ جانے کتنے حلقوں کو اپنے سے جوڑ رکھا ہوگا اور کتنے لوگوں کو اپنے سے وابستہ کررکھا ہوگا، پھر بھی ایسے ایسے ہوشیار حضرات تک حیران رہ جائیں گے، لہٰذا ہم لوگ دیکھ سکتے ہیں کہ جو ایسے ہیں ان کے یہاں یہ بات کھلے عام مل جائے گی کہ وہ جہاں جہاں اپنی مسند سجائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہاں وہاں فتنوں کی آماج گاہ ہے، اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں آپسی لڑائیاں، ایک دوسرے سے اختلاف، بدگمانیاں اور ایک دوسرے کے خلاف ہنگامہ آرائیاں اور مقدمہ بازیاں نہ ہوں، کوئی بھی جگہ اس سے خالی نہیں ہے، اور جو اس میں صحیح لوگ لگے ہوئے ہیں، یعنی ہم لوگ جن کو اپنا سمجھتے ہیں وہ بھی جو اس طرح کے کاموں میں مبتلا ہو رہے ہیں ان میں بھی یہ بات پیدا ہوتی جارہی ہے، اور ان کے اندر بھی جو بڑے سمجھدار اور ہونہار و ہوشیار ہیں وہ بھی انہیں فتنوں میں مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں، الغرض ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ جو ایسا کرے گا اس کے ساتھ برا ہی ہوگا، کیونکہ اللہ میاں کے یہاں یہ چیز نہیں چلتی کہ کہہ دیا جائے یہ فلاں شخص ہیں، فلاں برادری کے ہیں، فلاں قوم یا فلاں حلقہ کے ہیں، فلاں جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے اندر بھی بری باتیں ہوں گی اس کے ساتھ برا ہی ہوگا، اس پر اللہ کی سخت پکڑ ہوگی، کیونکہ اس کا قانون بے لاگ ہے، اور اللہ کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہے، کسی قوم، برادری یا خاندان سے نہیں، جو جیسا ہوگا ویسے ہی اللہ کی طرف سے اس کی پکڑ ہوگی اور اگر اچھا ہے تو ویسا ہی اس پر انعام بھی ہوگا، اس سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے تعلق سے کسی بھی طرح ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ اللہ والے ہیں یا اس مقام پر فائز ہیں، بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہتے تھے، ان کے ذہن ودماغ دنیا طلبی اور دھوکہ دہی سے بالکل خالی ہوتے تھے، اور جو کچھ کرتے تھے صرف اللہ کے لیے کرتے تھے۔

تواضع وانکساری

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ اتنے بڑے عالم دین تھے لیکن اس طرح رہتے تھے کہ لوگوں کو دھوکہ ہوجاتا تھا کہ وہی ہیں یا کوئی اور ہے، ایک بار ایک شخص کو کوئی مزدور نہیں مل رہا تھا تو وہ اپنی گھٹری خود لے کر جانے لگا، اچانک سامنے سے مولانا آرہے تھے تو اس شخص نے مولانا سے کہا کہ اے مزدور! میری گھٹری اٹھاؤ، مولانا نے اٹھالی، تو اس شخص نے کہا تمہاری جو مزدوری ہوگی تم کو وہ مل جائے گی، اب گھٹری اٹھائے ہوئے مولانا جا ہی رہے تھے کہ راستہ میں ان کے شاگرد مل گئے، انہوں نے کہا ارے بھائی یہ تو اتنے بڑے عالم دین ہیں، حضرت کے سر پر تم نے یہ کیا لاددیا؟ تو اس شخص نے کہا: معاف کیجئے گا، میں نے ان کو مزدور سمجھا تھا، اس لیے یہ بوجھ لاددیا تھا، لیکن مولانا کا حال یہ تھا کہ ذرہ برابر بھی برا نہیں مانا، اسی طرح اگر کوئی شخص مولانا کو "مولانا" کہہ کے پکارتا، تو آپ مڑتے نہیں تھے اور اگر کوئی "قاسم" کہہ کر پکارتا تو فوراً مڑتے تھے، کیونکہ مولانا کی سوچ یہ تھی کہ میری ہستی کا وجود ہی کیا ہے؟

آج کا حال

لیکن آج کل الٹا ہے، لوگ خود اپنے منھ سے کہہ دیتے ہیں کہ "میں مولانا ہوں"، اپنے لیے لکھ بھی دیتے ہیں "مولانا فلاں"، لیکن آج بھی جو بڑے حضرات ہیں ان کا یہ حال نہیں ہے بلکہ حضرت مولاناؒ کو جنہوں نے دیکھا اور مولانا رابع صاحب کو اب دیکھا جاسکتا ہے کہ ان کی سادگی کو دیکھ کر اچھے اچھے لوگ پہچان نہیں پاتے کہ یہ بھی کچھ ہیں، بہت سے لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں، لیکن ان حضرات کے چونکہ چہرے سے نور اتنا نکلتا ہے کہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کچھ ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا بیٹھے ہوئے تھے اور اتفاق سے ندوہ میں کسی پروگرام کی وجہ سے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء آئے ہوئے تھے، اور اس میں

تمام ہی علماء اپنے اپنے عبا وقبا میں تھے، ایسے میں ایک دیہاتی آدمی آیا، جو حضرت مولاناؒ کو جانتا نہیں تھا، اس نے کہا: ’’حضرت مولانا علی میاں سے ملنا ہے‘‘ تو اس وقت مولانا انہی علماء کے درمیان بالکل سادہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے، اور باقی تمام علماء میں کوئی صافہ باندھے ہوئے تھا، کوئی عبا پہنے ہوئے تھا، کوئی اور کچھ پہنے بیٹھا تھا، تو لوگوں نے اس دیہاتی کا امتحان لیا اور کہا کہ دیکھو مولانا علی میاں اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں تم خود پہچان لو کہ کون ہیں؟ تو وہ سیدھا مولانا کے پاس گیا، اور ملاقات کر کے آگیا، بعد میں لوگوں نے اس دیہاتی سے معلوم کیا کہ تم نے کیسے پہچانا؟ تو اس دیہاتی نے بتایا کہ مولانا کے چہرے سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہی ہوں گے۔

وہ کون کی بات

اسی طرح خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو صحابہ نیا نیا ایمان لاتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا، احادیث کے بالکل یہی الفاظ ہیں، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے بارے میں بھی یہی آتا ہے کہ آپ عام لوگوں میں بالکل اسی طرح بیٹھ جاتے تھے جیسے آپ کچھ بھی نہ ہوں، یہ الگ بات ہے جہاں آپ بیٹھتے تھے پھر لوگ بھی وہیں منہ کر کے آپ کی طرف بیٹھ جاتے تھے، بہر حال ہمارے جو اکابر ہیں ان کا انداز تو یہی تھا کہ کہیں خدانخواستہ دل میں کوئی ایسی بات نہ آجائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ ہوجائے، اس لیے ہمیشہ سادگی کے ساتھ رہنا پسند فرماتے تھے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاہلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

File F:\Front.tif not found.

خیر امت

دنیا میں بڑھتی افراتفری اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی

عہد حاضر میں جس تیزی کے ساتھ عالمی سطح پر افراتفری پھیل رہی ہے، وہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے تشویشناک امر ہے، دنیا کے اکثر ممالک میں تباہی اور افراتفری کے مناظر کا پہلی نظر میں ہی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لیکن بعض ممالک ایسے ہیں جن میں بظاہر افراتفری وتباہی دکھائی نہیں دیتی ہے مگر جب گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اندر اندر تباہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

مثال کے طور پر فی زمانہ دنیائے انسانیت کو خطرناک لڑائیوں کا سامنا ہے، گذشتہ صدی میں دو عالمی جنگیں ہو چکی ہیں جن میں بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا، ایک اندازے کے مطابق پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۷ء میں تقریباً ۹۰/لاکھ لوگ ہلاک ہوئے۔ ۲/کروڑ ۲۰/لاکھ شدید زخمی ہوئے اور ۲/کروڑ ۵۰/لاکھ لوگ معذور ہو گئے، یہ مجموعی اعداد وشمار نہیں ہیں بلکہ میدانِ جنگ کے ہیں جو افراد اپنے شہروں، قصبوں اور گاؤوں میں جنگ کے اثرات سے متاثر ہو کر جاں بحق ہوئے، ان کی تعداد اور بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، اس جنگ کے نتیجے میں لگ بھگ ۵۰/لاکھ عورتیں بیوہ ہو گئی تھیں، لاکھوں بچے یتیم اور لاکھوں عورتیں و بچے غائب ہو گئے تھے، دوسری جنگ عظیم کے نتائج اس سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئے، اس میں ہلاک ہونے والے فوجیوں اور عام لوگوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ۵۴.۸ ملین تھی یعنی پہلی جنگِ عظیم کے مقابلے میں چھ گنا زیادہ جس کے اعتبار سے اس جنگ کے نتیجے میں مرنے والوں کی تعداد کسی بھی صورت میں ۵/کروڑ سے کم نہیں بیٹھتی، اس جنگ میں معذور ہونے والوں کی تعداد دو کروڑ تھی، واشنگٹن پوسٹ کی تحقیقی رپورٹ کے مطابق ۲۰ویں صدی کی جنگوں میں ۱۰/کروڑ افراد ہلاک ہوئے۔

۲۱/ویں صدی کی شروعات بھی خوفناک واقعات اور جنگوں سے ہوئی، ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کی دو فلک بوس عمارتیں مغویہ ہوائی جہازوں کے حملوں میں زمیں بوس ہو گئیں، جس کے نتیجے میں وہ دونوں بلند و بالا ٹاور خاکستر ہو گئے اور اس میں موجود ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے، یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے پوری دنیا کو ہلاک کر کے رکھ دیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے تیزی کے ساتھ جنگوں اور حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، ۲۰۰۱ء میں ہی افغانستان پر چڑھائی کر دی گئی اور اس وقت کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، اس جنگ میں عوام بھی متاثر ہوئے اور بڑی تعداد میں افغانی باشندے موت کی نیند سو گئے، تصادم، مارکاٹ اور قتل وغارت گری کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، ۱۵/سال کے عرصے میں یقیناً افغانستان میں موت کی بہت بڑی جانی و مالی تباہی ہوئی، ۲۰۰۳ء میں عراق پر جنگ مسلط کر دی گئی، چاروں طرف سے ناکہ بندی کر کے اس ملک کی صدام حکومت کو زیر وزبر کر دیا گیا، دورانِ جنگ مرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی تھی ہی لیکن جنگ کے بعد ہلاک ہونے والوں کی تعداد کتنے ہی گنا زیادہ ہے، یہ پورا ملک سخت تباہی سے دوچار ہوا ہے، بعض اندازوں کے مطابق ۲۰۰۳ء کے بعد سے اب تک عراق میں ۲۰/لاکھ سے زیادہ لوگ مارے جا چکے ہیں، افغانستان اور عراق کی طرح لیبیا میں خوفناک حالات بنے، وہاں انقلاب کے نام پر معمر قذافی کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے نتیجے میں بے شمار لوگوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا، وہاں عدمِ استحکام کی صورتِ حال ہنوز جاری ہے، تیونس میں بھی اسی طرح کے حالات سامنے آئے۔

مصر میں افراتفری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پہلے وہاں حسنی مبارک کے اقتدار کا خاتمہ ہوا، نئے صدر محمد مرسی عوامی رائے سے منتخب ہوئے لیکن مصر کی فوج حسنی مبارک کے گروپ اور مغربی ممالک کو محمد مرسی ایک آنکھ نہیں بھائے، چنانچہ فوج نے بغاوت کر دی، ایک خوفناک لڑائی ہوئی، بڑی مقدار میں انسانی خون بہا، محمد مرسی کو گرفتار کر لیا گیا، اس کے بعد محمد فتح السیسی کے ہاتھوں میں اقتدار دے دیا گیا، جو بڑا متشدد اور سخت واقعہ ہوا، مصر میں سخت اور نازک حالات ابھی بھی برقرار ہیں اور آئے دن مصری عوام باہمی تصادم اور جھڑپوں کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں، اگر بات ملک شام کی کی جائے تو یہاں صورت حال اور زیادہ ابتر ہے، پانچ سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے مگر وہاں حکومت اور

عوام کے مابین جاری تصادم میں کوئی کمی واقع نہیں ہورہی ہے،اب تک کئی لاکھ لوگ شام میں لقمۂ اجل بن چکے ہیں، یہ تو چند ممالک کے حالات ہیں، اگر اسی طرح سے اور بھی ملکوں میں پھیلی بدامنی اور افراتفری کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی باہمی لڑائیوں میں روز بروز انسانی جانیں تباہ ہوچکی ہیں، سیاسی حالات جس تیزی کے ساتھ بگڑ رہے ہیں،اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے بعض مبصرین نے تو تیسری عالمی جنگ کے خدشات ظاہر کردیے ہیں،اگر خدانخواستہ اب تیسری عالمی جنگ ہوئی تو انسانوں کا کتنا بڑا نقصان ہوگا، سابقہ عالمی جنگوں اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھ کر اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دنیا کے حالات اس طور پر بھی بہت زیادہ خراب ہوچکے ہیں کہ دنیا میں مادیت اور روحانیت کے درمیان توازن بگڑ گیا ہے،عوام الناس کا سارا زور مادیت پر ہوگیا ہے، آج لوگ مالدار بننے کی خواہش رکھتے ہیں،وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس جائیداد ہو، بینک بیلنس ہو، گاڑیاں ہوں، بڑے اور آراستہ مکانات ہوں اور عیش ومستی کرنے کے لیے ڈھیر سارے وسائل و ذرائع ہوں، اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ شب وروز ایک کررہے ہیں، انھیں نہ دن میں چین ہے اور نہ رات میں سکون ،رات دن ایک کرنے کے باوجود بھی بہت سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوپارہے ہیں،ان کی معیشت مضبوط نہیں ہوپارہی ہے،ان کے پاس بینک بیلنس نہیں بن پارہا ہے، یہاں تک کہ ان کی اپنی احتیاجات بھی پوری نہیں ہوپارہی ہیں، مکان بنانے کی ضرورت ، دو وقت کے کھانے کی ضرورت اور بچوں کی شادیوں کی ضرورت ان کی کمر کو توڑے ڈال رہی ہے، ایسے لوگ نہایت پریشان ہیں، بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں، کتنے لوگ اپنی ناکامی کے باعث ڈپریشن کے شکار ہوچکے ہیں، کتنے لوگ اپنی احتیاجات کو دیکھتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور غلط راستے اختیار کررہے ہیں، ایسی صورت میں وہ اپنے لیے بھی خطرناک ثابت ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی۔

مال و دولت کی بڑھتی خواہش کے باعث بہت سے لوگ ایمانداری اور دیانت داری کا سبق بھول گئے ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ کمانے کے لیے خطرناک ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں ، کتنے لوگ ایسے ہیں جو نشہ آور اشیا کی خرید و فروخت کرکے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں مگر فوسروں کی زندگیوں سے کھلواڑ کررہے ہیں ، بعض لوگ جرائم ، بدعنوانی اور رشوت خوری کے ذریعہ دوسروں کے حقوق غصب کررہے ہیں، کرپشن اور بدعنوانی کی جہاں تک بات ہے تو آج اس میں کوئی ایک طبقہ ملوث نہیں ہے بلکہ چھوٹے بڑے سبھی طبقات ملوث نظر آتے ہیں، اشیائے خوردنی میں ملاوٹ اور وہ بھی خطرناک کیمکل کی ملاوٹ کے واقعات سامنے آرہے ہیں، سبزیوں کی ملاوٹ نے بھی انسانی زندگی کو دوبھر کردیا ہے، کسان زیادہ کمانے کے لیے یا پھر اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہائی بریڈ سبزیاں تیار کررہے ہیں جو انسانوں کے لیے بڑی خطرناک ثابت ہورہی ہیں، گویا کہ مادی سطح پر انسان بہت حد تک بچھڑ چکا ہے۔

روحانی لحاظ سے جب آج کے انسان کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ اس میدان میں بڑا لٹا پٹا دکھائی دیتا ہے،لوگوں کے درمیان سے دورِ حاضر میں روحانیت ختم سی ہوگئی ہے، بہت سے لوگ تو روحانیت کے معانی ومفاہیم تک سے واقف نہیں، حالاں کہ روحانیت کو انسانی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے،روح کے بغیر انسان جس کی زندگی کا تصور محال ہے،روح کے اطمینان کے بنا انسان کی زندگی میں سکون کا گذر نہیں ہوتا، روحانیت انسان کو معتدل بناتی ہے، گناہوں اور بدعنوانیوں سے نجات دلاتی ہے اور انسان کو اس فرضِ منصبی یاد دلاتی ہے۔

اسی لیے مفکرین نے کہا ہے کہ دنیا میں روحانیت اور مادیت کے درمیان توازن ضروری ہے،ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنے میں بڑا نقصان ہے، روحانیت سے انسانی اقدار کے چشمے پھوٹتے ہیں،انسان بااخلاق وباکردار بنتا ہے اور اپنے لیے بھی بہتر ثابت ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی بہتر ثابت ہوتا ہے،اس کے علاوہ اور بھی بہت سے گوشے ایسے ہیں جن کے اعتبار سے دورِ حاضر کے انسان کی زندگی کا جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ موجودہ دور میں انسان خسارے میں ہے اور ہر طرف سے تباہی و بربادی کے درمیان گھرتا چلا جارہا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" (خشکی وتری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد برپا ہوگیا)۔

دنیائے انسانیت کو تباہی وافراتفری سے

File F:\Front.tif not found.

بچانے کے لیے دنیوی نظام ناکام ثابت ہوچکے ہیں، بڑے بڑے مفکرین نے انسانوں کو مختلف نظریات دیے لیکن وہ بھی ناکام ہوچکے ہیں، دراصل اس وقت انسان کو خدائی نظام وقانون کی ضرورت ہے، خدائی احکامات ونواہی کی ضرورت ہے، اس اعتبار سے دیکھائے جائے تو روئے زمین پر فی الوقت اسلام ایک ایسا دین نظر آتا ہے جو انسانوں کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے اورعوام الناس کو تباہی و بربادی سے بچاسکتا ہے کیونکہ وہ کسی بھی طرح کی ترمیم وتبدیلی سے محفوظ ہے۔

جب کہ دوسرے مذاہب تبدیلی وتحریف کے شکار ہوچکے ہیں جس کے باعث وہ انسانوں کو مکمل رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے، اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی کتابوں میں قرآن محفوظ بھی ہے اور انسانوں کی رہبری کے لیے مکمل و جامع بھی ہے، قرآن کی حفاظت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّالَهُ لَحَافِظُوْنَ"، یعنی باری تعالی نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، ظاہر ہے کہ جس کی حفاظت باری تعالیٰ خود لے رہا ہے، اس کو کوئی کیسے بدل سکتا ہے یا مٹا سکتا ہے، دین اسلام کی جامعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی، اور اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا)۔

معلوم ہوا کہ دین اسلام انسانوں کی فلاح یابی وکامیابی کے لیے ناگزیر ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی احادیث کا بھی بہت بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے، گویا کہ اس دنیا میں مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو پوری بنی نوعِ انساں کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہے، قرآن کی اس آیت "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" میں صاف کہا گیا ہے کہ امت مسلمہ بہترین امت ہے، اسے لوگوں کے لیے اٹھایا گیا ہے، اس کا کام اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہے یعنی دنیا میں دوسری قوموں کی رہبری کا فریضہ بھی انجام دینا ہے۔

اب غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ کیا مسلمان اپنے اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں؟ اور وہ دوسروں کے لیے کوئی کردار ادا کر پا رہے ہیں، فی زمانہ مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ وہ بے اثر ہوگئے ہیں اور اپنے فرائضِ منصبی سے غافل ہوکر زندگی گزار رہے ہیں اور فی الوقت وہ اس پوزیشن میں بھی نظر نہیں آتے کہ دوسرں کی رہبری کا کام کریں، کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت خود خدائی نظام سے دور ہے اور اسلام کے مطابق کما حقہ زندگی نہیں گزارتی، بہت سے مسلمان اسلامی تعلیمات سے بھی واقف نہیں، ایسے میں وہ کیسے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بہتر ثابت ہوسکتے ہیں، مسلمانوں کی رہبری چونکہ دنیا کو حاصل نہیں اور لوگ ان کے کردار سے محروم ہیں، اس لیے دن بہ دن بد ترین حالات سے دوچار ہوتے جارہے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں کی رہبری دنیا کو حاصل تھی تو دنیا کے لوگوں نے بہت کچھ پایا مگر جب دنیا پر مسلمانوں کا اثر نہ رہا تو ساری دنیا تباہی کے راستے پر چل پڑی، ایسے میں مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کے مطابق ڈھالیں، اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں، قرآن پر عمل کریں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور تعمیری کردار پیش کریں، یہ یاد رکھیں کہ اگر انھوں نے اپنے آپ کو اسلام کا پابند نہیں بنایا اور دنیا کی فکر نہ کی تو اس سے ان کا اپنا بھی نقصان ہوگا اور دنیائے انسانیت کو بھی خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ جب دنیا پر مسلمانوں کے اثرات تھے تو دنیا میں امن وامان کی ہوائیں چل رہی تھیں اور دنیا کے لوگ زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کر رہے تھے، مگر جب دنیا میں مسلمانوں کے اثرات نہ رہے، تو دنیا کو بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑا، بہت سے شعبوں میں دنیا کے لوگ پچھڑ گئے جس کے باعث انسانی زندگی غیر متوازن ہوکر رہ گئی اور اس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں، یہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ دنیا میں اسلام کی روشنی کو پھیلایا جائے اور انسانی زندگی کے فائدے کے لیے مخلصانہ کوششیں کی جائیں، مسلمان اگر اپنے دینی سرمایہ کے ذریعہ انسانیت کی خدمت کرنا چاہیں تو وہ یقیناً بڑے پیمانہ پر پوری بنی نوع انساں کی خدمت انجام دے سکیں گے، کاش! مسلمان اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں اور تمام دنیا کے لیے بہتر ثابت ہوں۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

رسید کتب

محمود حسن حسنی ندوی

نام کتاب: تاریخ دعوت و عزیمت (جلد اول تاہفتم)

نام مصنف: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ دعوت وعزیمت کو نئی کمپوزنگ اور سبھی حصوں کو مشترکہ طباعت کے ساتھ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی پہلی بار سامنے لائی ہے، گذشتہ طباعت سے الگ الگ حصہ کا حصول آسان نہ تھا، اب سبھی حصے ایک ساتھ لیے جاسکیں گے، پہلی جلد اسلام کے عہد دوم کے ائمہ کے تذکرہ سے شروع ہوکر چھٹی اور ساتویں صدی کے ائمہ پر ختم ہوئی ہے، جن میں اقطاب علم و دین کے ساتھ فاتحین اسلام اور عظیم روحانی شخصیات ہیں، جب کہ آٹھویں صدی کی عظیم اور مجدد شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے خلفاء وتلامذہ کے لیے بھی یہی جلد مصنف کے منصوبہ میں تھی، لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تذکرہ کو جو حجم درکار تھا، اس سے پہلی جلد کی ضخامت اتنی ہو جاتی کہ اس جلد میں اتنا مواد قاری کے لیے لائق تحمل نہ تھا۔

بالآخر مصنف نے اس کے لیے دوسری جلد کا اور ہندوستان کی شخصیات کے لیے الگ جلد کا منصوبہ تیار کیا، اور اسے ہزارۂ اول تک پہونچا دیا گیا، چوتھی جلد ہزارۂ دوم (الف ثانی) کے لیے تھی، جسے مصنف نے اپنے عہد تک پہونچانے کی کوشش کی، لیکن تاریخ دعوت وعزیمت کو اس کے عہد اول یعنی عہد مجددی کو مستقل ایک جلد میں کیا، وہ جلد چہارم کہلائی، جو حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء اور سلسلہ کے مصلحین کے کارناموں کے ساتھ خاص ہے، اسی سلسلہ کی عظیم مصلح وامام شخصیت حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کے خلفاء وتلامذہ اور صاحبزادگان واحفاد کے کارناموں پر محیط ہے، یہ پانچویں جلد کہلائی، اور عربی میں ''رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام'' جزء رابع قرار پائی، پھر ایک بڑی طاقتور اصلاحی شخصیت حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی اٹھی، اور انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ بڑا دینی انقلاب برپا کردیا، ان کے اور ان کے کارناموں کے متعلق مصنف نے پہلے ایک جلد میں کتاب تصنیف کی، اس وقت تاریخ دعوت وعزیمت کے سلسلہ کا آغاز نہیں کیا گیا تھا، ان کی اس کتاب نے ائمہ، علماء وقت، دانشوران وقائدین ملت، مصلحین سبھی کو بہت متاثر کیا، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے تو یہاں تک مصنف سے فرمادیا کہ: ''آج بھی ہم لوگ حضرت سید صاحبؒ کی تجدید کے سائے میں ہیں''۔

اس طرح تیرھویں صدی ہجری تک کی دعوت وعزیمت اور اصلاح وتجدید کی تاریخ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ وار مرتب کردی تھی، سیرت سید احمد شہید میں اہم اضافے کیے، یہاں تک کہ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگئی، اس لیے اس کو ایک ساتھ نہ شائع کیا جاسکا، مگر مجلس نشریات اسلام کراچی نے اسے بھی ایک ساتھ شائع کرکے ایک اشاعتی تجدیدی کام کیا ہے، حق تو یہ تھا اور جیسا کہ اس کی تقریظ میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے لکھا بھی ہے کہ چودھویں صدی کے مصلحین میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب مجددیؒ اور متعدد علماء ومصلحین کا تذکرہ مصنف اپنی کتاب ''کاروان ایمان وعزیمت''، ''پرانے چراغ'' اور دوسری کتابوں میں کرچکے ہیں، اور آخر پندرھویں صدی میں مجددین ومصلحین کی امانتوں کا امین، تاریخ دعوت وعزیمت کا محافظ ومصنف اپنی کہانی سات جلدوں میں سنا کر چودہ صدیوں پر محیط تاریخ دعوت وعزیمت کو امت کے حوالہ کرگیا۔

اس میں اشارہ ہے کہ ناشر مزید ہمت کرکے اس سلسلہ کو جس کی کتابیں الگ الگ شائع بھی کرچکا ہے، اتمام کو پہونچائے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ جو اس کا پہلا ناشر ہے، ''مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ

اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت'' کو اس کا ساتواں حصہ اور مصنف کی حیات پر مشتمل مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ کی کتاب ''میر کارواں'' کو بھی اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر شائع کرچکا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم'' کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ:

''جب تاریخ دعوت وعزیمت کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا، اور اس کو امام حسن بصریؒ، اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے شروع کیا گیا تو اس وقت اس کا تصور بھی مشکل تھا کہ یہ سلسلہ پہلی ودوسری صدی کے مصلحین ومجددین سے لے کر تمام درمیانی مراحل اور عالم اسلام کی زمانی ومکانی وسعت ورقبہ کو طے کرتا ہوا گیارھویں وبارھویں صدی کی دو عظیم تجدیدی شخصیتوں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہونچ سکے گا، مصنف اپنی کتاب ''سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کی تالیف کے ذریعہ اس سلسلہ کو تیرھویں صدی کے آخر تک اور جہاں تک اس تحتی بر اعظم کا تعلق ہے، چودھویں صدی کی کئی دینی داعیوں جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کی سوانح مرتب کرکے اپنے زمانہ تک پہنچا چکا ہے، اس طرح درحقیقت تاریخ دعوت وعزیمت کا چھٹا حصہ اور ساتویں کا بڑا حصہ بھی مرتب ہو چکا ہے''۔

☆☆☆☆☆

چند علمی وفکری مطبوعات

بقلم:- حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

☆ **حقیقی محبت اور اس کے تقاضے**

صفحات:-88 قیمت:-40

☆ **محبت اہل بیت (رضی اللہ عنھم)**

صفحات:-56 قیمت:-36

☆ **محبت صحابہ (رضی اللہ عنھم)**

صفحات:-104 قیمت:-40

رابطہ

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی

موبائل نمبر:9919331295

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نو مسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر:0998449015, 09919042879

File F:\Front.tif not found.

اللہ تعالیٰ ہی مختارِ کل ہے!

مذہب عیسائیت کے ایک امریکی مبلغ کی ایمان افروز داستان قبول اسلام

● ....محمد جاوید اختر ندوی

”اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ امریکہ پر جہالت کا غلبہ ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم سب امریکیوں کو ہدایت کی روشنی میسر آسکتی ہے، اگر ان پیغمبروں کی زندگی پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کیا جائے جو ہماری رہنمائی کے لیے اس دنیا میں بھیجے گئے تو کوئی وجہ نہیں اس دنیا پر چھائی ظلمت کے بادل چھٹ جائیں اور چاروں جانب روشنی کا غلبہ ہوجائے، میرے اس دعوے کی تائید وتوثیق میری اپنی زندگی میں رونما ہونے والے خوش آئند انقلاب سے ہوجاتی ہے“۔

یہ بات عیسائیت کے سابق مبلغ امریکی باشندے دیان چارلس برسلان نے اپنے اس پُرسعادت سفر کی روداد سناتے ہوئے بتائی جو تاریکی سے شروع ہوکر روشنی کے حصول پر آکر ختم ہوا، انہوں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو زندگی بلکہ دنیا ہی بدل گئی، چارلس کی کہانی خود اسی کی زبانی سنئے:

”میں امریکی شہری ہوں، میرے والد عیسائی مبلغ تھے، انہوں نے تین سال تک تربیت حاصل کی اور تبلیغ کی ذمہ داریاں انجام دینے لگے، میرے خاندان کے دیگر افراد بھی راسخ العقیدہ عیسائی تھے، میں نے چار سال کی عمر میں ایک کیتھولک نرسری اسکول میں داخلہ لے لیا، میری ابتدائی عمر کے قیمتی بارہ سال اس اسکول کی چہار دیواری میں گزر گئے، میں عبادت باقاعدگی سے کیا کرتا مگر میری ایک عادت دوسرے عیسائیوں سے یکسر مختلف تھی، وہ یہ کہ میں نے اپنی عبادت کے دوران کبھی بھی حضرت مریم علیہا السلام سے مدد نہیں مانگی اور نہ ہی یہ سمجھتا تھا کہ ان کے پاس مشکلات کے حل کی کوئی طاقت ہے، اسی طرح رات کو سوتے وقت جو دعائیں مانگتا تھا، ان میں بھی میری مخاطب حضرت مریم علیہا السلام نہیں ہوتی تھیں۔

عیسائی طور طریقوں کے مطابق جو دعائیں مانگتا ان میں اللہ تعالیٰ ہی کو مخاطب کرتا اور کہا کرتا: ”مجھے معلوم ہے کہ خدا آپ ہی ہیں مگر میں کیا کروں، میرے ماں باپ نے مجھے یہی دعائیں سکھائی ہیں“۔

جب میں بارہ سال کا ہوا تو میری سالگرہ پر میری ماں نے مجھے بائبل کا تحفہ دیا، ہم کیتھولک تھے، لہٰذا ہم بالٹی مور کلیسا کی کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے، میں نے بائبل کا مطالعہ کیا تو مجھے کئی مقامات پر شبہ گزرا کہ یہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا، مجھے یہ انسان کی لکھی ہوئی کتاب محسوس ہوتی تھی، میں نے مغرب کے حوالے سے شش وپنج میں اپنی عمر کے بیس سال مکمل کرلیے، اس دوران میں کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرا اصل مذہب کیا تھا؟ میں نے مختلف مذاہب کا تقابلی جائزہ لینے کا فیصلہ کرلیا، بدھ مت اور ہندو مت کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا لیکن ان کے کسی بھی پہلو نے مجھے متاثر نہیں کیا، پھر میں نے رہنمائی کے لیے مقامی کلیسا کی طرف رجوع کیا لیکن وہاں سے بھی مجھے مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا۔

اس کے ساتھ ساتھ خدا کے ساتھ باتیں کرنے کی میری پرانی عادت جاری رہی، میں رات کو سوتے وقت ایک خدا کو ضرور اپنے مسائل بتاتا تھا، میں یہ کام اس کامل یقین کے ساتھ کرتا تھا کہ خدا ایک ہے، وہ میری یہ بات سنتا ہے اور انسانوں کو اپنی محبت اور توجہ کا مستحق سمجھتا ہے۔

جب میں نے پہلی بار قرآن مجید کا نام سنا، ان دنوں میں ماسٹر ڈگری کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا، قرآن مجید عربی زبان میں تھا، جب بھی اسلام کا ذکر ہوتا تو میرے ذہن میں عرب، اونٹ اور صحراء میں گاڑے ہوئے خیمے گھوم جاتے جن میں میلے کچیلے گندے عرب ہی نظر آتے تھے، میں نے اپنی تعلیم کے ابتدائی مدارج میں سوچا کہ دنیا میں عیسائی اور یہودی تہذیب کے علاوہ باقی لوگ یقیناً حقیر مخلوق ہی ہوتے ہوں گے، ہم نے اس تیسری تہذیب سے تعلق رکھنے والے لوگوں (مسلمانوں) کے متعلق ہمیشہ منفی خیالات رکھے تھے۔

جب پہلی بار قرآن کریم پڑھا، اس وقت میں ۳۵ سال کا تھا، میں نے قرآن کسی اور نیت سے کھولا تھا، مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، میں نے اس کا جوں ہی مطالعہ شروع کیا، مجھے یقین ہوگیا کہ یہ ایک واضح اور مضبوط سچائی ہے جو انسانیت کو اس کی روح عطا کرتی ہے اور تاریخ کی تمام حقیقتوں کی تصدیق کرتی ہے، قرآن وہ تمام نظریات مسترد کرتا ہے، جن کے بل بوتے پر بعض قومیں اپنے آپ کو غیروں پر غلط طور پر فائق تصور کرتی ہیں، قرآن کی مذکورہ بالا آیات کے چند الفاظ ہی میں نسلوں، زبانوں کی بنیاد پر قوم پرستی کو مسترد کرتے ہوئے صرف ایک خدا کی عبادت کی تلقین کرتی ہیں، اس خدا کی جس نے ہر چیز پیدا کی اور جس کی طرف بالآخر ہر چیز کو واپس پلٹنا ہے۔

عیسائیت میں ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام سے محبت کا درس دیا جاتا ہے جب کہ میں نے قرآن کے ابتدائی مطالعہ ہی سے یہ اخذ کیا کہ دونوں جلیل القدر ہستیوں سے فی الحقیقت

مسلمان ہی اصل محبت کرتے ہیں، اسلام میں دونوں سے محبت کی تعلیم ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی محبت اصل محبت ہے اور یہی جنت کی راہ دکھاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا حکمراں ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے، وہ قیامت کے روز ہم سب سے حساب لے گا اور اس روز کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا، اسی نے ہم سب کو پیدا کیا، جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا، پچھلے سارے لوگ وفات پا گئے اور جو اس دنیا میں آنے والے ہیں، انہیں بھی انتقال کر جانا ہے، ایک اللہ کی ذات ہے جسے موت نہیں آسکتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا ہیں، سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر ہی تھے، ایک انسان تھے جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوا، اگر ہم اس حقیقت کا ادراک اور اعتراف کر لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے بھائی تھے، دونوں ایک ہی پیغام انسانیت کے لیے لائے تھے کہ ایک خدا کی عبادت کریں جس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا اور جس کی طرف بالآخر لوٹ کر جانا ہے، اس حوالے سے انسانوں میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

میں نے قرآن کریم کے مطالعہ اور فکر و تدبر میں تین سال گزارے اور اس کے بعد میں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرنے کا باقاعدہ اعلان کر دیا، یقیناً مسلمان بننے سے پہلے مجھے اس بات کا خوف تھا کہ مجھے اپنے لباس، وضع قطع اور عادات و اطوار میں واضح تبدیلیاں لانی پڑیں گی، شراب و شباب کی عادتیں گھٹی میں پڑی تھیں، رقص اور موسیقی میری زندگی کا جزو لازم تھا، دوسرے منچلے نوجوانوں کی طرح میں بھی انتہائی مختصر لباس پہنتا تھا۔

مطالعہ کے دوران میں میرا کسی مسلمان فرد سے تعارف تک نہ ہوا تھا، میرے محلے میں چند مسلم خاندان رہتے تھے مگر ان کے گھر خاصے فاصلے پر تھے اور ان سے ملنا جلنا نہیں تھا، اسی اثنا میں میرے والد محترم سرطان کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے اور بہت جلد داعیٔ حق کو لبیک کہہ گئے، مجھے ان کے انتقال سے بہت سے سبق حاصل ہوئے، سب سے بڑا سبق یہ تھا کہ میرے والد کے پاس ہر قسم کے اشیائے تعیش موجود تھے، وہ دنیوی لحاظ سے شاندار زندگی گزار رہے تھے، علاقے کے بہترین کلبوں میں ان کا آنا جانا تھا، اور میرے والد نہایت بیش قیمت گاڑیاں استعمال میں رکھتے تھے، ان کے پاس بے پناہ دولت تھی، اس کے باوجود موت نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ شکست دے دی، ان دنوں میں دین اسلام کا مطالعہ اور اس حوالے سے غور و فکر کیا کرتا تھا، باپ کی وفات کے بعد دین حق کی تلاش میں بہت تیزی آ گئی، اس المناک سانحہ کے بعد میں مصر چلا گیا اور عربی زبان میں اسلام کا لٹریچر پڑھنے لگا، اس مطالعہ میں مجھے اس حقیقت پر شرح صدر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ زندہ جاوید ہے، اس نے نہ جنم لیا ہے اور نہ کسی کو جنم دیا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں، مجھے اسلام کی طرف سب سے زیادہ کھینچنے والی اہم بات مسلمانوں کا تصور مساوات ہے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں اور ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، قرآن مجید میں بھی ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ نیکوکار لوگ ہی بہترین ہیں، نیکی کی تحریک و ترغیب اللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت ہی سے ملتی ہے، حقیقی نیکی اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچان لے، اسے اللہ کو بتانا ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں، میں نے عربی زبان سیکھنے کا فیصلہ صرف اس لیے کیا تھا کہ میں اس زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام سمجھ لوں، جس زبان میں پیغام نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم کے فہم نے زندگی کے تمام رخ بدل دیے، اب مجھے عیش و عشرت سے نفرت ہو گئی، قیمتی لباس، لمبی لمبی کاریں اور لمبی لمبی سیر و سیاحت سب کچھ میرے لیے ثانوی اور معمولی حیثیت اختیار کر گئے، میرے دل میں اس خیال سے خوشی کی لہر اٹھتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہی کچھ دیا ہے جس کا میں خواہاں تھا، تبدیلی مذہب کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل خانہ اور دوست احباب قطع تعلق کر لیتے ہیں مگر مجھے کسی کی محبت اور دوستی کی محرومی کا ذرہ بھر ملال نہیں تھا، بلکہ اللہ کے سایۂ عاطفت میں پناہ میسر آجانے کی مسرت و شادمانی بے پایاں تھی جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اس کا احساس تو اسی کو ہوگا جو اس سعادت سے بہرہ ور ہوا ہو، میں مذہب تبدیل کرنے کے باعث جن احباب سے دور ہوا، اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ مجھے ان کا پھر سے قرب حاصل ہو جائے، یعنی انہیں بھی خدائے واحد پر ایمان لانے کی توفیق نصیب مل جائے، آمین۔

میں نے ذکر کیا کہ میں اپنے سابق دور میں بھی اپنے خدا ہی سے مدد مانگتا رہا ہوں اور اس وقت مانگتا رہا ہوں جب مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تھا، حضرت مریم علیہا السلام نے بھی چھپی آواز میں خدا سے دعا کی، یہ دعا حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ سچی دعا کیا ہے؟ سچی دعا در اصل اس یقین کا بے تابانہ اظہار ہے کہ سارا اختیار صرف خدا کے پاس ہے، اسی کے فضل سے انسان کو سب کچھ ملے گا، اگر وہ نہ دے تو کسی کو کچھ نہیں مل سکتا، دعا کا سارا رخ ایک خدا کی طرف ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سچی دعا سب سے زیادہ اسی وقت ہوتی ہے جب انسان تنہائی میں ہو جہاں اس کے اور خدا کے سوا کوئی تیسرا نہ پایا جائے۔

☆☆☆☆☆

تعلیم اسلام

عجلت پسندی قرآن وحدیث کی روشنی میں

● محمد عبداللہ شمیم ندوی

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف اور افضل بنایا ہے، انسان کو تمام مخلوقات پر یہ امتیاز ایسے ہی نہیں مل گیا بلکہ اس کی اہم وجہ انسان کے اعمال کے ساتھ جزا وسزا کا منسلک ہونا اور دیگر مخلوقات کے مقابلے میں بہت سی صفات کا حامل ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن صفات سے نوازا کچھ تو انسان اور حیوان میں مشترک ہیں جیسے بھوک لگنا، نیند کا آنا، محبت کرنا اور غصہ آنا وغیرہ، اور کچھ صفات میں انسان سب سے ممتاز ہے جیسے صفت ملوکیت، تعلیم وتعلم، تدبیر کرنا، ایجادات کرنا، وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے انسانی صفات کو ایسے سانچے میں ڈھالا گیا ہے کہ وہ انھیں اچھے اور برے مواقع پر یکساں استعمال کرسکتا ہے، ان سے اچھا اور برا دونوں طرح کا کام لے سکتا ہے، چنانچہ انسان کو من جانب اللہ کچھ اصول وضوابط دے کر ان صفات کے استعمال میں آزادی دی گئی ہے، اب چاہے وہ ان کا اچھا استعمال کرے اور جزا کا مستحق ہوجائے اور چاہے توان کو برا استعمال کرکے اپنی دنیا اور آخرت کا نقصان کرلے۔

چنانچہ انسان کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ بہت جلد باز واقع ہوا ہے ارشاد خداوندی ہے: "خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" [انبیاء: ۲۱/۳۷]، انسان جلد باز مخلوق ہے (یعنی وہ ہر کام میں جلد بازی چاہتا ہے)۔

عجلت پسندی بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ بسا اوقات یہ مقصود ومطلوب ہوا کرتی ہے جیسے کسی گناہ کے ہوجانے کے بعد توبہ میں عجلت مطلوب ہے اور عند اللہ یہی محمود ہے، ارشاد خداوندی ہے: "سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ" [آل عمران: ۳/۱۳۳] (اپنے رب کی مغفرت اور اس کی اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے جلدی پہونچنے کی کوکروشش کرو جس کی وسعت آسمان اورزمین ہے)۔

نماز جمعہ کے تعلق سے بھی جلد بازی کا حکم ہے، ارشاد باری ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ" [جمعہ: ۶۲/۹] (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت نفع کی چیز ہے)۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کارِ خیر میں پہل کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد نبویؐ ہے: "بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ الصَّالِحَة". [مسلم: ۱۶۹] (اچھے کام کرنے میں جلدی کیا کرو)۔

یہ آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ ہمیں بتا رہی ہیں کہ جلد بازی فی نفسہ بری صفت نہیں ہے بلکہ بعض جگہ تاخیر ہی باعث مذمت ہوا کرتی ہے، لیکن کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں عجلت پسندی اللہ کو نہایت ناپسند ہے اور ایسی جگہوں پر اللہ نے انسان کو اپنی اس صفت کو کنٹرول کرکے صبر وتحمل سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔

عام طور سے انسان کی عادت ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کی تحقیق کیے انھیں بغیر جلد بازی میں پھیلا دیتا ہے، ہمیں کبھی کوئی ایسی خبر سننے کو ملتی ہے جس کا تعلق ہمارے جذبات سے ہوتا ہے اور اس وقت ہمارا دل بے قابو ہوجاتا ہے اور ہمیں مجبور کرتا ہے کہ جلد از جلد یہ بات دوسروں تک پہونچائیں، اور ہم اپنے جذباتوں کی رو میں بہ کر بنا جانچ پڑتال کے اسے آگے بڑھا دیتے ہیں جو کبھی کبھار ہمارے اور دوسرے لوگوں کے لئے ایسی باعث نقصان بن جاتی ہیں جن کی تلافی ہم چاہ کر بھی نہیں کرسکتے۔

قرآن پاک نے بلا تحقیقی باتیں پھیلانی سے سختی سے منع کیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ" [الحجرات: ۶۹/۶] اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لے کر آئے تو اسکی جانچ پرتال کرلو کبھی تم کسی قوم کو انجانے میں کوئی نقصان پہونچا دو اور پھر اپنی اس حرکت پر نظریں اٹھانے کے لائق نہ رہو)۔

آپ اپنے اطراف کا جائزہ لیجیے کہ دن بھر میں ہزاروں من گھڑت باتیں بلا تحقیق آگے بڑھا دی جاتی ہیں، اور ان کی جانچ پرتال کے تعلق سے ہم سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ہونے والے بیشتر فسادات انھیں افواہوں کی دین ہیں جو اب تک ہزاروں زندگیاں تباہ کرچکے ہیں۔

یہ تو اجتماعی زندگی کے نقصان کی ایک جھلک

File F:\Front.tif not found.

ہے لیکن اگر ہم اپنی انفرادی زندگی میں بھی جائزہ لیں تو گھریلو، معاشرتی اور خاندانی ہر طرح کو نقصان ہماری اس عجلت پسندی کے سبب ہوتا ہے۔

اس لیے آج کل سوشل میڈیا (فیس بک، وہاٹس ایپ، یوٹیوب) کے صارفین کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی میسج، پوسٹ یا ویڈیو کو بلاتحقیق ہرگز نہ پھیلائیں، ورنہ ہماری یہ نادانی ہمیں اور دوسروں کو کسی ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرسکتی ہے، اسی طرح عجلت پسندی جن کاموں میں اللہ کو ناپسند ہے ان میں سے ایک بدگمانی ہے، یعنی کسی کے تعلق سے اپنے دل میں غلط خیال رکھنا۔

آپ ذرا غور کیجیے یہ بیماری کس قدر ہم میں رچ بس گئی ہے کہ ہمیں اس کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہو پاتا، ہم کسی شخص کے کسی ایک عمل کو دیکھ کر بلکہ اس کے متعلق ایک بات سن کر ہی اس سے بدگمان ہو جایا کرتے ہیں، اور پھر اس کے بارے میں اپنا ایک فرضی نظریہ قائم کر کے ساری زندگی اسی نظر سے اسے دیکھا کرتے ہیں، جبکہ اپنے بارے میں ہماری خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ہمیشہ ہم سے خوش گمان رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر جلدی گمان قائم کرنے والوں کو سخت نوٹس دیا ہے ارشاد فرمایا: "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [الحجرات:۱۲/۶۹] (اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)۔

بدگمانی انسانی معاشرے کا وہ ناسور ہے جو آہستہ آہستہ محبتوں کو ختم کر کے نفرتوں کو جنم دیتا ہے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بچنے کا سختی سے حکم دیا، فرمایا: "إیاکم و الظن فإن الظن أکذب الحدیث" [بخاری] (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ برے گمانوں سے بچتے رہو، کیونکہ بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں ہے)۔

ہمیشہ یاد رکھئے اپنے کسی بھی بھائی بہن کے تعلق سے فوراً بدگمان ہونے سے بچئے، پہلے اچھی طرح اس کو پرکھ لیجیے بہت ممکن ہے کہ آپ خود ہی غلطی پر ہوں، آپ خود سوچئے کیا آپ اس بات کو گوارا کریں گے کہ کوئی آپ کی ناکردہ خطا پر آپ سے بدگمان ہو جائے؟ تو پھر یہی معیار ہم اپنے ہی بھائی کے سلسلے میں کیوں نہیں رکھتے؟

چنانچہ علماء فرماتے ہیں، دل کا سکون اور زندگی کی حقیقی خوشی چاہتے ہو تو اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا سیکھو، کیونکہ بدگمانی کرنے والے سے ذہنی سکون چھین لیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ودیعت کردہ صفات کا استعمال مثبت انداز سے کرنا چاہیے، اس لیے اچھے اور نیک کاموں میں جلد بازی سے کام لیجیے، اور جن جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عجلت پسندی کو قابو میں کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق پھیلانا، کسی کے تعلق سے برا گمان کرنا، اور بے جا غصہ سے کام لینا ان جیسی جگہوں پر نہایت صبر وتحمل سے قدم اٹھایا کیجیے، جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ ایک پرسکون اور خوشگوار معاشرہ وجود میں آچکا ہے، ہم چاہیں تو خود کو آج سے ہی بدل سکتے ہیں کیونکہ اگر ہم کچھ کرنے کی ٹھان لیں تو ہمیں بھلا کون روک سکتا ہے؟

تو آیئے! ایک نئی خوشگوار زندگی کی شروعات کریں، یقین جانئے ان اصولوں پر عمل کر کے ہم عنداللہ محبوب بن جائیں گے اور لوگوں کے درمیان بھی ہماری پہچان ایک معتبر اور نیک انسان کے طور پر ہوگی۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

☆ تفسیر ماجدی

(منزل کے اعتبار سے ------- ۷/منزل، ۷/حصے)

از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

کل صفحات: ۴۰۶۰ مجموعی قیمت: ۳۲۵۰ روپے

ڈاک خرچ کے ساتھ صرف ۱۸۰۰ روپے میں

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل۔ airpnadwa@gmail.com

File F:\Front.tif not found.

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: جب انسان قریب مرگ ہو تو اسے کس طرح لٹایا جائے؟ اس بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ رہنمائی کریں، کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ میت کو اس طرح لٹاتے ہیں کہ پاؤں قبلہ رخ ہوتا ہے، جو خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؟

جواب: جب انسان کے انتقال کا وقت قریب ہو جائے تو اسے قبلہ رخ کر دینا چاہیے، قبلہ رُخ کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جیسے سوتے وقت داہنی کروٹ سونا مسنون ہے، اسی طرح داہنی کروٹ لٹا دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چت لٹا دیا جائے اور پاؤں اور چہرہ دونوں قبلہ رخ ہو، چہرہ کو قبلہ رخ کرنے کے لیے سر کے نیچے کچھ رکھ دیا جائے تاکہ سر اونچا ہو جائے اور چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو، اس صورت میں پاؤں قبلہ رُخ ہوتا ہے، لیکن اصل مقصود پاؤں کو قبلہ رخ کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یہ قبلہ کی بے ادبی نہیں بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرنا ایک علامتی عمل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

[ردالمختار: ج۳/ص۷۸]

سوال: کیا میت کے قریب قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: میت کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس وقت تک وہ ناپاک ہے، اس لیے غسل سے پہلے میت کے قریب قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، البتہ غسل دینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔

[کبیری، ص/۵۳۳]

سوال: میت کو رشتہ داروں کے انتظار میں دیر تک رکھتے ہیں، کبھی کبھی ایک دن اور ایک رات کا وقفہ ہو جاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: کسی کے انتقال کے بعد تدفین میں جلدی کرنا چاہیے، رشتہ داروں کے انتظار میں زیادہ دیر تک میت کو روکے رکھنا پسندیدہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی تدفین میں تاخیر کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا! نماز جب وقت ہو جائے، جنازہ جب آجائے اور نکاح جب لڑکی کے لیے مناسب رشتہ آجائے۔

[جامع ترمذی/ حدیث نمبر ۱۰۷۵]

سوال: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا جسم کو ہاتھ لگانا، اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کے لیے شوہر کے انتقال کے بعد اس کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو غسل دینے کی بھی اجازت ہے کیونکہ شوہر کے انتقال کے بعد جب تک عدت وفات گذر نہ جائے ایک حد تک وہ اس کے نکاح میں رہتی ہے، اس لیے اس کے لیے دیکھنے، چھونے اور بوقت ضرورت غسل دینے کی اجازت ہے، لیکن شوہر کے لیے بیوی کے انتقال کے بعد اس کو غسل دینا اور چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ مرنے کے بعد وہ ایک اجنبی عورت کے حکم میں ہو جاتی ہے، البتہ چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے، علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے: "یمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الأصح" (شوہر کو فوت شدہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روک دیا جائے لیکن اصح قول کے مطابق دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا)۔

[الدر المختار علیٰ ردالمختار: ج۱/ص ۲۶۸]

سوال: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟ کیا حدیث میں اس کی کوئی فضیلت آئی ہے؟ کیا یہ منع تو نہیں ہے؟

جواب: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، فقہاء نے کفن پر اس کو لکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، بسا اوقات نعش پھول پھٹ جاتی ہے، جس سے کفن آلودہ اور ناپاک ہو جاتا ہے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

[ردالمختار: ج۱/ص ۲۶۸]

سوال: کیا مردوں کو سفید کے علاوہ کوئی رنگین کفن دیا جا سکتا ہے؟

جواب: مردوں کو سفید کپڑے کا کفن دینا افضل ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، جو لوگ زندہ ہیں وہ سفید کپڑے کو اپنا لباس بنائیں اور مردوں کو ایسے ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

[مستدرک حاکم/ حدیث ۱۳۰۹]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگین کپڑوں کے بجائے سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

۱۰/نومبر ۲۰۱۷ء

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذٰلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**
(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.